نہج البلاغۃ

سید علی اظہرؒ
سید علی حیدرؒ

مقدمہ نہج البلاغہ

1277ھ کھجوہ ضلع سارن بہار

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصّلوٰۃ والسّلام علیٰ سید المرسلین ووصیہ امیر المومنین واھلبیتہ الطیبین الطّاھرین۔

سبب ترجمہ نہج البلاغت

کتاب مستطاب نہج البلاغۃ کا ترجمہ اگرچہ اس لحاظ سے بھی ضروری تھا کہ اس میں ایسے ایسے مواعظ و حکم مجتمع ہیں کہ دوسری کتاب میں اسکی نظیر نہیں مل سکتی۔ لیکن ماوراء اسکے یہ بھی محرک ہوا کہ ایک اعلےٰ درجہ کے کلام بلیغ عربی کی تاثیر اُن لوگوں پر واضح کی جائے جو عربیت سے آشنا نہیں ہیں۔ اگرچہ اصلی اثر اس کلام بلاغت نظام کا اُنھیں لوگوں پر ہو سکتا ہے جو ماہر زبان عربی ہیں۔ مگر چونکہ یہ کلام حد درجہ کا موثر واقع ہوا ہے اسلئے اُس کے معانی دوسری زبان میں بھی اکثر اثر انداز ہوتے ہیں۔

کلام کی اصلی غرض یہ ہے کہ متکلم اپنے واردات قلبی کو الفاظ کے ذریعہ سے بخوبی ظاہر کرے اور جو بات اُسکے دل میں آئی ہے سننے والوں کے سامنے اس طرح بیان کرے کہ اُن کے دلوں میں اُسکا نقشہ اُتار دے۔
یہی سبب ہے کہ عرب میں وہی کلام زیادہ مستند مانا جاتا ہے جو خاص اعراب یعنی بادیہ نشینوں کا کلام ہوتا ہے کہ وہ چشم دید حالات بیان کرتے ہیں اور ایسے نقشے اپنے کلام میں کھینچتے ہیں کہ واقعہ کی اصلی تصویر سامع

کم پیش نظر ہوجاتی ہے بخلاف شہریوں کے کہ اُنکے کلام اکثر ایسے واردات قلبی سے معرا ہوتے ہیں۔ اور اہل شہر کو چونکہ باریک باتوں میں زیادہ مدخلیت ہوتی ہے اس وجہ سے اُنکا کلام اس طرز سے جداگانہ ہوتا ہے۔ لیکن اگر فصاحت اہل بادیہ معانی اہل حضر کے ساتھ جمع ہوجائے تو کلام کا رتبہ نہایت اعلیٰ ہوجاتا ہے۔ لہٰذا جس پایہ کا جو شخص ہوگا اُسی پایہ پر اُسکا کلام بھی فائز ہوگا۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ کلام الملک ملک الکلام یا کلام الامام امام الکلام۔

اب یہاں ہم اپنی نظر کو وسیع کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ یہ متکلم کس پایہ کا ہے؟ آیا کوئی نظیر اسکی دنیا میں مل سکتی ہے یا نہیں اُس وقت خود فیصلہ ہوجائیگا کہ آیا ایسا کلام بھی ممکن ہے یا نہیں۔

ہم اس بحث کو طول دینا نہیں چاہتے نہ آیات و احادیث سے کچھ کام لیا چاہتے ہیں نہ تواریخ و اقوال علماء سے جو حضرت کے فضائل و مناقب میں مذکور ہیں کہ ایک شمہ بھی اُس میں سے قریب قریب ناممکن ہے اور بعد مجلدات کتاب مستطاب عبقات الانوار فی امامۃ الائمۃ الاطہار اس بحث میں قلم اُٹھانے کی ضرورت نہیں اور نہ اس مقدمہ کے مناسب ہے۔ بلکہ ہم صرف سلسلہ عنوان زندگی سے جسمیں کسی طرح کا کسیکو عذر ہی نہیں ہوسکتا دیکھا چاہتے ہیں کہ اولین و آخرین سے کون شخص آپ کے مقابلہ کے لئے منتخب ہوسکتا ہے۔ کیونکہ یہ مسلم ہے کہ عرب میں تہذیبی دنیا کی ابتدا حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے ہے۔ اور انھیں کے وقت تک تواریخ عرب کا کچھ تفصیل وار سلسلہ پہنچتا ہے اس پوری دنیا میں ہمکو کوئی شخص ایسا نہیں نظر آتا کہ بچپنا اُسکا تو ایسا ہو کہ تمامی قوم (عرب) کا شاہزادہ ہو کہ تمامی قبائل عرب اُسکے باپ کے سامنے سر بسجود ہوں۔ اور سن شعور پر پہنچتے ہی ایک ایسے شخص کے حلقہ ارادت میں آجائے جسکی مخالفت پر ساری دنیا کمر بستہ ہو حالانکہ سب اُسکے ہمقوم اور ہم جد ہیں بلکہ رہا یا۔ یہ ارادت یا متابعت ایسے وقت میں ظاہر کرے۔ جب کہ اُسکا پیشوا ایک نئے دین کی بنا ڈالتا ہو جس سے مخالفت کرنا فطری اور لازمی امر ہو۔ اسی کا یہ نتیجہ ہوا کہ اُس وقت میں بجز جناب امیر المومنین علیہ السلام کوئی ساتھی رسول اللہ کا نہ تھا۔ یہاں تک کہ ایک پہاڑ کی کھو (شعب ابوطالب) میں سب بند کئے گئے آپس میں شادی بیاہ کھانا پانی سب بند کیا گیا صرف حضرت علیؑ ہی ایسے تھے جو راتوں کو چھپ چھپا کر وہاں سے اُترتے اور یہاں بازاروں سے کچھ چیزیں کھانے پینے کی لے جاتے۔ اسکے بعد وہ زمانہ آیا کہ کچھ مسلمانوں کی تعداد بڑھی جسکے ساتھ مخالفوں کی مخالفت نے

بھی ترقی کی۔ ادھر حضرت ابوطالب نے بھی وفات کی جو رسول اللہ صلعم کے چچا اور سرپرست تھے اُدھر حضرت خدیجہ نے بھی انتقال کیا جنکی وفات سے حضرت کے آسائش جسمانی کا بھی خاتمہ ہوا مکہ جو اصلی وطن تھا چھوڑ کر آپ کو طائف جانا پڑا وہاں پر بھی مخالفت کی وبا پھیلی ہوئی تھی آخر مکہ آئے اور ہجرت مدینہ منورہ کا سامان ہوا۔ اِن کل حالات میں اگر رفیق تھا یا ہمدم تو حضرت علی بن ابی طالبؑ جسے اُن جناب نے بضرورت نرغۂ اعدا میں تن تنہا چھوڑ کر سفر مدینہ اختیار کیا کیونکہ بہت سی امانتیں تھیں بہت سے تعلقات جو بغیر ایسے جانشین کے انجام نہیں پا سکتے۔

جب صبح ہوئی اور کفار اپنے ارادوں سے ناکامیاب رہے سب حضرت علیؑ پر جھک پڑے مگر آپ نے نہایت صبر و استقلال سے سب سے معقول طور پر جوابدہی کی اور کل شدائد پر تحمل کیا اور امور مفوضہ سے فارغ ہوکر اپنے آقا کی خدمت میں مدینہ پہنچے۔

یہاں آکر دوسرے مرحلے پیش آئے قریشیوں کے دل بہادروں نے جنگ کی ٹھہرائی بدر کی لڑائی سب سے پہلے پہل ہوئی جسمیں حضرت علیؑ کو سینہ سپر ہونا پڑا اور اُس کمسنی میں بڑے بڑے بہادروں سے مقابلہ کرنا پڑا یہاں تک کہ عام طور پر مان لیا گیا کہ لافتی الا علی لاسیف الا ذوالفقار یہ سب بلائیں جب ذاتی کوششوں سے جناب امیرؑ کی دفع ہوگئیں میدان صاف ہوا حضرت کا سکہ تمام عرب میں جم گیا اسلامی پھریرا چاروں طرف لہرانے لگا ہر شخص کی زبان پر یہی نام تھا محمد علی تو زمانہ نے دوسرا تماشا دکھایا۔ آنحضرت نے دنیا سے انتقال کیا۔ ابھی آنکھوں کے آنسو نہ تھمے تھے شور و شیون کی آواز بھی نہ دھیمی ہوئی تھی۔ تجہیز و تکفین کا سامان بھی نہ ہوا تھا لحد تک نہ کھدی تھی کہ معلوم ہوا قبر کن وغیرہ سب مجمع خلاف قانون میں پنچایتی خلیفہ بنا رہے ہیں۔ جناب امیرؑ صبر و تحمل سے سب کارروائیاں سنتے رہے اور تجہیز و تکفین رسول اللہ کو سب پر مقدم سمجھا۔ تیسرے روز دفن سے فراغت ہوئی کہ نئی خلافت کے ہرکارے پہنچ چلے خلیفۂ رسول بلاتے ہیں بیعت کیجئے۔

اِسکا جواب بجز اسکے کیا تھا کہ تم سب تو مدت ہوئی ہماری بیعت کر چکے۔ کس استحقاق سے ہم سے طالب بیعت ہوتے ہو جس دلیل سے تم نے انصار سے خلافت لی وہی دلیل تو ہماری بھی ہے بلکہ بمراتب اُس سے قوی ہے۔ اسکا جواب بھی تو فطری طور پر یہی ہے کہ جبر کیا جائے۔ اور پورے تشدد سے کام لیا جائے وہی ہوا بھی۔ یہ کشش و کوشش اپنے حال پر تھی کہ قدرت نے دوسرا واقعہ دکھایا۔ جناب

سیدہ نے بھی وفات پائی جو خاص رسول اللہ صلعم کی بیٹی تھیں اور ہزاروں بے ادبیوں پر بھی آپ کا ادب کیا جاتا۔ وہ سہارا بھی نہ رہا ذاتی عافیت بھی رخصت ہوئی۔ چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اور سنسان مکان نہ کوئی آتا ہے نہ جاتا ہے نہ سلام و کلام کا کوئی روادار۔ اس بے بسی کا وہی نتیجہ ہونا چاہیے جسکو صحیح بخاری صفحہ ۶۰۹ کتاب المغازی میں لکھتے ہیں وکان لعلی من الناس وجہ حیاۃ فاطمہ فلما توفیت استنکر علی وجوہ الناس فالتمس مصالحۃ ابی بکر

سختی کا یہ زمانہ ہی گیا اور وہ شخص اب خلیفہ ہوا جو پہلی خلافت میں سب سے زیادہ کدو کاوش رکھتا جس سے ہر شخص نتیجہ نکال سکتا ہے کہ اختیارات بڑھنے پر کیا کچھ نہ ہوتا مگر جہاں اس سے اطمینان ہو گیا تھا کہ کل قوی ضعیف ہو چکے کوئی مخالفانہ حملہ نہیں کر سکتا وہاں اکثر فتوحات نے کچھ آسائش دے دی تھی جس سے ظلم و تعدی کی باگ ڈھیلی پڑی اور ملکی ضرورتوں نے بھی اسکا سبق دیدیا تھا کہ ایک ایسے شخص کے وجود کی ضرورت ہے جو ہر طرح سے قائم مقام رسول ہو سکے۔ لہذا یہ زمانہ ویسا نہ تھا جو دو ڈھائی برس اس سے پہلے جناب امیر پر صعوبتیں گذریں۔

انھیں وجوہ سے کہ صدہا قسم کے احسان حضرت نے خلیفہ پر اور خلافت پر کیئے۔ خلیفۂ دوم مجبور تھے کہ آپکا نام بھی اُس فہرست میں داخل کریں جو مستحقین خلافت کی ترتیب دی تھی ورنہ اس ظاہری مروت کا قاطع اُن رئیسوں کو قرار دیا جس سے اس تیسری خلافت میں بھی حضرت صلعم کو محروم رہنا پڑے۔

چونکہ اس تیسرے خلیفہ کی کوئی پالیسی مستقل نہ تھی آخر میں شاہ شطرنج بن گیا اور جو کچھ چاہا وزیروں نے انجام دیا جس سے پھر جناب امیر کے مصائب تیز ہوئے۔ کبھی مدینہ چھوڑنے کا حکم ہوتا ہے کبھی تعزیر کا سامان کیا جاتا ہے۔ کبھی فریاد و استغاثہ کیا جاتا کہ بجز آپ کے کوئی مددگار نہیں۔ جان نہیں بچتی امداد کیجئے اسی حیص بیص میں یہ بارہ برس بھی ختم ہوئے اور اب ہر شخص کو یقین ہو گیا جب تک خلافت اپنے اصلی مرکز پر نہ آئیگی ہماری ترقی ہماری آسائش ناممکن ہے نہ غتنہ دبے گا نہ کوئی کام چلے گا سب آتے ہیں اور خوشامدیں کرتے ہیں کہ لللہ امت محمدیہ پر رحم کیجئے خلافت قبول فرمائیے۔ مگر حضرت چونکہ ان طبائع سے مطلع تھے۔ تجربہ نے علم لدنی کے علاوہ پختہ کر دیا تھا انکار ہی کرتے رہے کہ ہمکو اپنا مشیر و وزیر ہی رہنے دو خلیفہ نہ بناؤ۔ مگر سب سمجھتے تھے اس وقت خلیفہ بننا آسان نہیں ہے سب نے مجبور کر کے حضرت کو خلیفہ بنایا اور آپکی حکومت قبول کر لی۔

ابھی دو چار مہینہ بلکہ د۱۰س بیس۳۰ روز بھی نہ گذرے تھے کہ سب فتنے دبے۔ بلوائیوں نے مدینہ چھوڑا امن و امان کی صورت قائم ہوئی کہ اُن لوگوں نے بغاوت کی تیاری شروع کی جنکے استحقاق خلافت کو خلیفۂ دوم نے قائم کیا تھا۔ کوئی حج کا بہانہ کوئی عمرہ کا حیلہ کر کے مکہ کیطرف روانہ ہوا۔ جہاں جناب امیرؑ کا ابتدای قوی دشمن خیمہ زن تھا یعنی حضرت عائشہ

اب مکہ کی پہاڑیاں ہیں اور مخالفین کے پڑاؤ۔ اتنے میں یعلی بن اُمیہ آگیا جو حضرت عثمان کا آوردہ تھا اور صوبہ یمن کا حاکم جسکے ساتھ وہ سب خزانہ بھی ہے جو بیت المال میں پہلے سے جمع تھا۔ اب مشورے کی ہانڈیاں پکنے لگیں۔ تجویز ہوئی کہ شام چلنا چاہیے جہاں بیس برس سے معٰویہ بن ابو سفیان حکمراں ہے اور پورے لشکر و سامان سے مخالفت علی بن ابی طالب کے لئے آمادہ ہے۔ مگر یہ تجویز اس وجہ سے نکمی ٹھہری کہ وہ اپنے سامنے تمھاری حکومت کو کب قبول کر سکتا ہے دو بادشاہ در اقلیمے نہ گنجند۔ لہذا بصرہ کا مقام اس کام کیلئے تجویز ہوا کہ وہ مدینہ سے بھی دور ہے اور شام سے بھی۔ دونوں کے درمیان میں ہے خالی جگہ ہے قبضہ کرنا چاہیے۔

گو ہر بغاوت کا دفعیہ جائز حکمرانوں پر بنفسہ لازم ہے چاہے وہ کتنا ہی کمزور ہو۔ مگر یہاں اُسپر یہ بھی استزاد ہوا کہ خاص مسجد کے اندر صدہا مسلمان رات کیوقت قتل اور قید کئے گئے جنکو امان مل چکی تھی اور مطمئن کر دئے گئے تھے کہ جب تک مدینہ سے خط نہ آئیگا کوئی کارروائی نہ ہوگی مگر بیت المال لوٹ لیا گیا عثمان بن حنیف صحابی رسول اللہ قتل ہونے لگے مگر بخوف مخالفت انصار وہ زندہ چھوڑ دئے گئے لیکن اس طور پر کہ اُس بوڑھے باوقار صحابی رسول کے چہرہ پہ ایک بال بھی ڈاڑھی مونچھ میں نہ چھوڑا گیا۔ ان مسلمانوں کی صدائے الغیاث و فریاد نے ایسا مجبور کیا کہ جناب امیرؑ نے مدینہ چھوڑا اور بصرہ کا رخ کیا۔ حالانکہ مدینہ والوں نے آپکا ساتھ نہ دیا اور سب چھوڑ کر علٰحدہ ہوئے۔ قریب کوفہ پہنچے تھے فرمان پر فرمان جاری ہوتے ہیں لشکر تیار ہو مگر ابو موسٰے اشعری جو حضرت عمر و عثمان کے زمانہ سے یہاں کا حاکم ہے مزاحمت کرتا ہے۔ نہ صرف بزور حکومت بلکہ وضعی حدیثیں رسول اللہ کی بیان کر کے جسپر حضرت نے خود اپنے فرزند ارجمند جناب امام حسنؑ کو روانہ کیا اور مالک اشتر کو جنھوں نے ابو موسٰے کو معزول کیا اور لشکر تیار ہوا آہستہ آہستہ لوگ گھروں سے نکلنے لگے خدا خدا کر کے یہ بغاوت فرو ہوئی طلحہ زبیر مارے گئے حضرت عائشہ مدینہ بھجوا دی گئیں کہ تمکو قبر نبی پہ بیٹھکر رونا چاہیے یا فتنہ و فساد کرنا۔ کہ اُدھر معٰویہ نے سر اُٹھایا جسکو

اچھی طرح معلوم ہو چکا تھا کہ نہ حضرت کے پاس خزانہ ہے اور نہ ویسا بہادر لشکر کیونکہ نامی نامی افسر
ابھی جنگ جمل میں کام آچکے ہیں یہ مخالف ایسا نہ تھا جو اس آہستگی سے سر ہوتا کیونکہ آٹھ نو برس تک رسول اللہ کو دق کر چکا تھا اور
پہلی خلافت سے یہ شخص اسی غرض سے ملایا گیا اور یہ سرحدی صوبہ[1] اسی کام کیلئے علٰحدہ کیا گیا تھا
کہ اگر سب تدبیریں کمزور ہو جائیں اور کسیطرح سے خاندان رسالت میں خلافت چلی بھی جائے تو یہ ہمارا جانشین
اپنے پورے دم خم سے انتقام لینے کو تیار رہے چنانچہ وہی ہوا کہ اب وہ شخص اس نئی اور صحیح خلافت سے مخالفت
پر آمادہ ہوا ہے جسکا دل عداوت خاندان رسالت سے موروثی طور پر مملو تھا اور بیس برس سے وہ اس کام کیلئے
تیاری کر رہا ہے کہ ہم اس خلافت کو حاصل کریں۔ فوج ایسی تیار کی تھی کہ دن کو اگر افسر رات کہدیں تو سب
اُسے رات ہی مانیں۔

اور جناب امیرؑ کی یہ حالت کہ نہ ذاتی طور پر کچھ مال تھا۔ نہ خلافت ملنے پر بیت المال میں کچھ مال ملا۔ نہ اُن
صوبہ داروں نے کچھ مال پہنچایا جو سابق خلافتوں سے مخزون کیا گیا تھا۔ بلکہ وہی مخزون مال آپکی مخالفت
میں خرچ ہو رہا ہے۔ اور لشکر وہ ہے کہ سب اُنھیں قریشیوں کی نسل سے ہیں جنکے باپ دادا نے حضرت کی تیغ تیز سے
راہ دار البوار دیکھی اور انکے پس ماندوں نے ہمیشہ خلافت کے اِدھر اُدھر کرنے میں مدد دی۔ اب کس بھروسہ
پر حضرت اس بغاوت کو فرو کریں اور غنیم سے لڑیں تاہم جسقدر ممکن تھا بلکہ امکان سے زائد تھا آپنے اس بغاوت
کے دفعیہ میں کوشش کی کہ شیطان نے دوسرا فتنہ قائم کیا مخالف کے نیزوں پر ضخیم ضخیم جلدیں قرآن کی بلند

---

[1] علامہ ابن حجر مکی رسالہ تطہیر الجنان میں ناقل ہیں اخرج ابن ابی الدنیا بسندہ عن عمر قال ایاکم والفرقۃ بعدی
فان فعلتم فاعلموا ان معاویہ بالشام فاذا وکلتم الی رایکم کیف یستبزها منکم اسکے معنی خود ابن حجر لکھتے ہیں فالمعنی انہ
یحضہم اذا وقعت فتنۃ وجبت افتراق الصحابۃ بموت الخلفاء الراشدین ان یخرجوا الی معاویہ ویفوضوا
الیہ امر تلک الفتنۃ لعظیم رایہ وحسن تدبیرہ صفحہ ۲۰ مطبوعہ مصر۔ عمر نے کہا خبردار میرے بعد باہم ہا اختلاف نہ کرنا
(جس سے جناب امیر کو حصول خلافت کا موقع ملے) اور اگر ایسا کروگے تو سمجھ رکھو کہ معاویہ شام میں ہے۔ جب تم اپنی رائے پر عمل کروگے
توکسطرح وہ تم سے چھین لیگا۔ اسی کی شرح میں لکھتے ہیں کہ حضرت عمر لوگوں کو اسپر آمادہ کر رہے ہیں کہ جب فتنہ پیدا ہو اور باہم ہا
اختلاف ہو تو سب کے سب چلے جائیں معٰویہ کے پاس ملک شام میں اور اس معاملہ کو اسکے سپرد کردیں۔ جس سے بصراحت تمام معلوم ہوا
کہ معٰویہ اسی غرض سے شریک خلافت کیا گیا تھا کہ کسیطرح حضرت علی علیہ السلام کو آرام نہ لینے دے ۱۲ منہ

ہوئیں کہ اسی کو ہم پنچ قرار دیتے ہیں جو فیصلہ کرے۔ یہ شعبدہ اُس وقت چھوڑا گیا جس وقت کی حالت خود معویہ نے یوں بیان کی ہو کہ "میں اسمیں غور کر رہا تھا کہ جناب امیرؑ کی بیعت کروں یا قتل ہونا گوارا کروں"۔ تمام لشکر میں کھلبلی پڑ گئی چاروں طرف سے آوازیں بلند ہونے لگیں کہ بیشک پنچایت ہونا چاہیے۔ اگر حضرت علیؑ نہیں مانتے تو لاؤ اُن کو خود قتل کر ڈالیں۔ ہرچند سمجھایا جاتا ہے قرآن کے خود تو گویائی نہیں زبان نہیں کوئی سمجھ دار آدمی نہیں یہ قرآن تو چپکا قرآن ہے اور ہم گویا قرآن ہیں جو کہتے ہیں وہ قرآن کے مطابق جو کرتے ہیں قرآن کے مطابق۔ مگر یہ ایسا جادو نہیں چلا تھا جو کسی طرح ٹلتا آخر پنچایت پر معاملہ ٹھہرا اور پنچ وہ تجویز ہوئے جو جناب امیرؑ کے دشمن تھے۔ حضرت کہہ رہے ہیں انکار کرتے ہیں مگر خود آپ ہی کے لشکر والے دباؤ ڈالتے ہیں کہ پنچ ہونگے تو یہی۔ آخر حضرت نے سکوت کیا اور پنچایت نامہ لکھا گیا فریقین نے اپنے اپنے ملک کا راستہ لیا۔

یہاں دوسرا شعبدہ نکلا۔ اب وہی لوگ جو پنچایت پر زور دیتے تھے کہنے لگے لا الحکم الا للہ خدا کے سوا اور کون حکم دے سکتا ہے اسی بنیاد پر وہ شمشیر برہنہ ہو رہے ہیں کہ کیوں حکم قرار دیا گیا حالانکہ خود انھیں لوگوں نے یہ سب کیا تھا۔ فہمائش کی جاتی ہے مگر مانتا کون ہے۔ یہاں یہ قیل و قال ہے وہاں فیصلہ کا زمانہ آگیا بے ایمان پنچوں نے ایک ایسی مہمل کارروائی کی کہ کسی طرح قابل قبول نہ تھی۔ اب حضرت تیاری کرتے ہیں کہ شام پر پھر چڑھائی کرنی چاہیے ادھر خوارج نے راہ روکی حضرت کی رائے تھی انکو ابھی چھوڑ دینا چاہیے مگر افسران فوج کی رائے ہوئی اسیکو مقدم کرنا چاہیے آخر خوارج سے جنگ کی ٹھہری بارہ ہزار[۵۱] آدمی سے مقابلہ ہوا نو آدمی بچے جو مختلف ملکوں میں بھاگ گئے[۵۲]۔ پھر شام کی تیاری ہونے لگی فوج لیت و لعل کرتی ہے حضرت سمجھاتے ہیں وہ بہانے کر رہے ہیں کہ ۱۹ رمضان کو ابن ملجم ملعون خارجی نے مسجد کوفہ میں حضرت کے سر اقدس پر ایسی ضرب لگائی کہ ۲۱ رمضان کو آپ رہگرائے فردوس بریں ہو گئے۔

۵۱ وکانوا یومئذ فی اثنی عشر الف رجل اهل صیام وصلوٰة اعنی یوم النهروان ملل و نحل صفحہ ۸۶

۵۲ فقاتلهم علیؑ بالنهروان مقاتلة شدیدة فما انفلت منهم الا اقل من عشرة وما قتل من المسلمین الا اقل من عشرة فانهزم اثنان الی عمان واثنان الی کرمان واثنان الی سجستان واثنان الی الجزیرة وواحد الی تل موزون بالیمن وظهرت بدع الخوارج فی هذه المواضع ملل و نحل ۱۸

پس جس شخص نے ابتدائے خلقت سے اسقدر انقلابات دیکھے اور ہر انقلابات میں بذات خاص شریک رہا بلکہ خود اُسی کی ذات مقدس پر سب انقلابات گذرے کسقدر اُسکا تجربہ وسیع ہوگا اور اُس تجربہ بھرے کلام سے ہم یا ہماری قوم کسقدر فائدہ اُٹھا سکتی ہے اور ایسے شخص کے کلام کے مقابلہ میں کسکا کلام قابل ترجیح ٹھہر سکتا ہے۔

یہ وہ حالات ہیں جنکے بیان میں ہزارہا جلدیں اس وقت بھی تیار اور موجود ہیں اسیلئے اسلامی دنیا میں بلکہ مخالفین اسلام کے یہاں بھی اس مقدس کلام سے کیسے کیسے دینی اور دنیوی فوائد حاصل کئے جاتے ہیں اور اسکے اصول مسلمہ سے کیسی کیسی ترقیاں وہ پا رہے ہیں۔ مگر افسوس ہم مسلمانوں نے ایسے حکیم روحانی کی نہ تب قدر کی اور نہ اب قدر کرتے ہیں جو اس خزانہ حکمت سے ہماری تمامی قوم آجتک محروم رہی۔ اور محروم رکھی جاتی ہے۔ کیونکہ اس کتاب کو زمانہ ہوا کہ اسکی متعدد شرحیں لکھی گئیں حواشی اسپر تحریر ہوئے ترجمے کئے گئے بیروت اور طرابلس میں چھپ بھی گئے مگر ہندوستان کے مدرس مدارس جو اکثر اہل سنت ہیں اسکے روادار نہیں کہ اُنکے طلاب و متعلمین اسکو ایک ادب ہی کی کتاب جان کر پڑھیں چہ جائیکہ عوام اسکے مضامین پر مطلع ہوں اور اسکے مواعظ و نصائح پر کاربند ہوں۔

حالات خطبات

یہ حالات بجائے خود اسکے لئے کافی ہیں کہ ہر شخص جو کچھ بھی عقل و فہم سے بہرہ رکھتا ہو اس لاجواب کتاب کیطرف متوجہ ہو اور بغور و فکر ایسے حکیم الٰہی کے کلام کا مطالعہ کرے۔ مگر اس سے بڑھ کر یہ امر ہے کہ صاحب کلام ابتدائے رحلت جناب رسالت مآب سے ایسی مصیبت میں مبتلا ہیں کہ کسیوقت بھی آپکو آزادی سے کلام کرنیکا موقع نہیں ملتا۔ کیونکہ دس روز قبل رحلت رسول تو کسیکو اسکا گمان بھی نہ تھا کہ حضرت یوں مجبور ہونگے۔ جب رسول اللہ ؐ نے لشکر اسامہ کی روانگی کا حکم دیا اُسوقت یاروں کے تیور ایسے بدلے کہ شہر مدینہ کا رنگ ہی دوسرا ہوگیا۔ آنحضرت نے جب یہ عالم دیکھا تو تحریری وصیت نامہ لکھنا چاہا کہ حجت تمام ہو مگر اس حکم پر تو کھلم کھلا بغاوت ہوگئی۔ کوئی کہتا ہذیان بک رہے ہیں کوئی کہتا ہے کہ درد کی بے چینی میں یہ کلمات فرماتے ہیں حسبنا کتاب اللہ ہمارے پاس تو کتاب خدا موجود ہے جو کافی ہے۔ ایسا شور و ہنگامہ قائم ہوا کہ اگر آنحضرت حکمت عملی سے کام نہ لیتے اور یہ کہکر اُنکو نہ ٹالتے قوموا عنی لا ینبغی عندی التنازع کہ یہاں سے چلے جاؤ کہ ہمارے پاس جھگڑا و تکرار مناسب نہیں تو شاید یہ پرجوش صحابہ حضرت کو اپنی موت سے بھی نہ مرنے دیتے مگر اب صحبت اخیار سے خالی ہے حضرت کا

آخری وقت ہے امت کیطرف سے مایوسی ہو چکی بجز اسکے کیا چارہ ہو کہ اب آنحضرت اپنے پیارے داماد کو سمجھا رہے ہیں فتنے اندھیری رات کی طرح رُخ کیا لوگ دنیا کی طرف مائل ہیں تم آخرت کی فکر کرو۔ اور جو باتیں ہونیوالی تھیں سبکو سمجھا دیا اور جو کچھ دیون وغیرہ کے متعلق کہنا تھا سب کہہ چکے اسی حالت میں روح اقدس نے عالم قدس کو پرواز کیا۔ جناب امیرؑ تجہیز و تکفین کی فکر کر رہے ہیں اور صحابہ سقیفہ سازی میں مشغول ہیں۔

اب جناب امیر المومنینؑ ہیں اور خلیفۂ اول اور اُنکے پرجوش وزیر اعظم خلیفۂ دوم۔ صحابہ کا رُخ تو حضرت اُسی وقت دیکھ چکے تھے جب حضرت رسول اللہؐ زندہ تھے اب کیا امید کرتے اگر حضرت ان لوگوں سے ملتے ہیں تو کسیکو خوش نہیں پاتے کیونکہ سبکے دل میں کھٹک ہے ان ہی کی بدولت جیسے رسول اللہ نار اض گئے نہ کوئی اچھی طرح بات کرتا ہے نہ لطف ملاقات ہے۔ اگر پورے طور پر اُنسے علحدگی کرتے ہیں تو صدہا قسم کے رخنے اسلام میں الگ پیدا ہوتے ہیں پھر مخالفت خلافت کا الزام قائم ہو کر دوسرا حکم نافذ ہوتا ہے جس سے ہمیشہ کے لئے اسلام کا خاتمہ ہوتا ہے۔ پھر یہ بھی خوف ہے کہ آجکل ان خلافتوں کی بدولت ارتداد کا طوفان پھیلا ہوا ہے جسکو چاہتے ہیں مرتد بنا کر قتل کرتے ہیں۔ ایسا نہ ہو ہم بھی اسی بلا میں پھنس جائیں اور ناکردہ گناہ مجرم بلکہ معاذ اللہ بنائے جائیں

خلافت اول تک تو یہ خوف ایک منٹ کیلئے بھی نہ کم ہوا خلافت دوم کی اب پالیسی یہ قرار پائی کہ جہانتک ہوسکے میل موافقت سے کام لو حضرت کو صلاح و مشورے میں شریک رکھو اور روز بروز انھیں کمزور کرتے جاؤ۔ مگر خلافت سوم میں یہ راز فاش ہو چلا کیونکہ حضرت امیرؑ نے متابعت سیرت شیخین سے انکار کر دیا جس سے خلیفہ سوم منتخب ہوئے۔

غرض بارہ برس اول و دوم خلافت کا اور چودہ برس تیسری خلافت کا حضرت پر ایسا گذرا کہ نہ آپ پوری آزادی سے اُنکے حق میں کچھ کہہ سکتے ہیں نہ امر حق کو ظاہر کر سکتے ہیں۔ کیونکہ صحابہ مہاجرین و انصار تو پہلے ہی سے اس سازش میں تھے اور اُنھیں کے اتفاق باخود ہا نے یہ سب کچھ کیا اور جتنے ممالک اسلام میں فتح ہو رہے ہیں سب میں انھیں خلفا کا نام سنا جاتا ہے جس سے اُن عوام کے دلوں میں یہ لوگ بھی ارکان اسلام میں شمار ہو رہے ہیں اور تمامی صحابہ اس انتظام امر خلافت میں کو شاں ہیں۔

اب جو چوتھے درجہ میں حضرت کو خلافت بھی ملی تو ایسے فتنہ و فساد کے ہنگام میں کہ خلیفہ سوم اپنے اعمال بد

ہیں جہت سے قتل ہو چکے کوئی حکومت کی قابلیت نہیں رکھتا۔ کیونکہ جتنے لوگ اسکے لئے منتخب ہو سکتے تھے
وہ سب قتل خلیفہ سوم میں شریک ہیں جس سے وہ کسی طرح اسکی امید نہیں کرتے کہ بنی امیہ انکو چین سے
رہنے دینگے۔ جناب امیر ہر الزام سے پاک تھے اور ابتدائے رحلت سے آپکی حیثیت مسلم تھی۔ امیدواران
خلافت نے بھی آپ ہی کو مجبور کیا اور بجز اسکے کوئی چارہ کار نہ سمجھا۔ خلافت قبول کرنا تھا کہ دوسرے
قسم کے ہنگامے شروع ہوئے کیونکہ رعایا وہی ہو جو شیخین کو بعد خدا اور رسول بلکہ اُن سے بھی بہتر
مان رہے ہیں عمال جتنے ہیں مخصوص کے آوردہ اور سب اُنکے اہل قرابت طرز عمل وہ ہو جو بالکل خدا و
رسول کے خلاف۔ صحابہ پہلے ہی سے حضرت سے خار کھائے ہوئے ہیں۔ اب ان شخصوں نے ہر شخص
سے کہنا شروع کیا۔ یہ تو پہلے ہی سے ان خلفا کے مخالف رہے ہیں اب جو کلمہ حضرت کے منہ سے نکلتا ہے
اُسپر غور و فکر کیا جاتا ہے جو عمل آپ کرتے ہیں خواہ کسی عمل کو مٹائیں یا دوسرا قائم کریں اُسی نظر سے
دیکھا جاتا ہے۔ یہ تو ابتدائے خلافت کا حال ہے جب تین مہینے بھی نہ گذرے تھے کہ بی بی عائشہ والی
کھلم کھلا بغاوت قائم ہوئی وہ فرد ہوئی تو معٰویہ بن ابی سفیان پورے دم خم سے میدان صفین میں آیا۔
ان سب بغاوتوں اور مخالفتوں کی کامیابی اسمیں زیادہ تھی کہ جناب امیر کو تمامی خلفا کا دشمن قائم کردیں
تاکہ ابدالآباد کے لئے اس خلافت اور اس خاندان کا خاتمہ ہو جائے جس میں پوری کامیابی کبھی ہوئی۔
ایسے ہنگام میں ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ حضرت کے وہ خطبے جو مہمات خلافت کے متعلق ہوتے کیسے
اہم ہوتے کیونکہ اگر پوری آزادی سے حضرت اپنا خیال ظاہر کرتے ہیں تو بے جنگ و بیکار دشمن
فتحیاب ہوتا ہے وہ تو خود ہی حضرت کو خلفا کا عدو بیان کر رہا ہے اور اسمیں اُسکی کامیابی ہے۔ اگر حضرت
بالائے منبر یا کسی مجمع میں کچھ شائبہ اُسکا بیان کریں تو سبکو مخالفت کا یقین ہو جائے اور حضرت کے
دشمن ہو جائیں۔ اور اگر اسکے خلاف بیان کریں تو ایسا شخص جو ہادی امت ہو اور زمام امت اُس کے
ہاتھ میں ہو کیونکر ایسی جرأت کرسکتا ہے کہ خلاف واقع اور خلاف اپنے عقیدہ کے بیان کرے جس سے
ہمیشہ کیلئے اسلام تباہ و برباد ہو۔ پھر سامعین بھی تو وہی ہیں جو حضرت کو مخالف خلفا کا سمجھ رہے
ہیں۔ ایسی حالت میں بہت مشکل ہے کہ کوئی متکلم گو وہ کیسا ہی فصیح و بلیغ حکیم ہو۔ دونو باتوں کو لئے ہوئے
کلام کرے اور سبکو سیدھی راہ پر لے چلنے کا ارادہ کرے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت کے بعض خطبے ایسے
ہیں جو ایک ہی فریق کے یہاں مقبول ہیں اور دوسرے فرقہ کے نزدیک وہ بے وجہ ہیں۔ اسلوجہ سے

جناب سید رضی علیہ الرحمہ نے ہر قسم کے خطبہ کو جہاں جہاں سے ملا جمع کیا اور ہم انشاء اللہ ہر مقام پر تفصیلی حالت بھی اُن خطبوں کی بیان کرینگے۔

یہی مغالطہ علماے مابعد کو بھی اکثر مواقع پر پیش آیا جو اس قسم کے خطبوں سے اُنھوں نے اپنے اغراض پر استدلال کیا اور کوئی خاص مطلب ثابت کرنا چاہا۔ حالانکہ بہت کچھ ناکامیاب رہے کیونکہ جب اصل امر مخالفت یا موافقت ہر طرح سے ثابت ہو تو اگر کوئی کلام ایسا مل بھی جاے جس سے وہم مخالفت کی ہو اکا زور کچھ کم ہو تو وہ چنداں قابل توجہ نہیں کیونکہ نہ ہر دشمن ایسا ہو کہ کبھی اُس سے کوئی بھلائی نہ ہو نہ ہر مخالف ایسا ہو کہ کبھی وہ معترف نہو چنانچہ ناظرین سیر و تواریخ کو بخوبی معلوم ہو کہ اکثر مشرکین و کفار کے افعال مخصوصہ کی حضرت صلعم نے تعریف کی ہو یا بہ الفاظ تعظیمی اُنکو یاد کیا ہو۔ اسیطرح کفار و مشرکین نے بھی بہت سے موقع پر حضرت کی مدح و ثنا کی ہو۔ حالانکہ باخود باہمی عداوت اور کفر و اسلام کا فرق سبکو معلوم ہو۔ پھر ان جزئیات سے کلیات پر کیا اثر پڑ سکتا ہو جیسے وہاں کفر و اسلام کی بحث فارق ہو ویسا ہی یہاں نفاق و ایمان کا مرحلہ حائل ہو۔

بہرحال اس خیال سے بھی یہ کتاب لاجواب کتاب ہو کہ آپنے تمامی محاسن اخلاق کی تعلیم فرمادی اور حکمت عملی کا پورا سبق دیا اور زمانہ کی رفتار کو اچھی طرح بتایا۔ اور ایسے فتنہ و فساد کے زمانہ میں ایمان و اتباع حق کے وسائل کو بخوبی ظاہر کیا اور دینی و دنیوی ترقی کی راہوں کو کشادہ کر دیا۔

بہرحال جس پہلو سے اس کتاب پر نظر کی جاے یہ ایسی عدیم المثال کتاب ہو کہ ابتداے خلقت عالم سے کوئی کتاب اسکی ہمسری نہیں کر سکتی نہ کوئی متکلم اس پایہ کا گذرا ہو نہ کسی پر یہ سوانح گذرے جو ایسا تجربہ کار اور زمانہ کے نشیب و فراز سے واقفکار ہوتا۔ چہ جائیکہ خداوند عالم نے آپ کو وہ فضائل و مناقب عطا فرماے کہ بجز جناب رسالتمآب جو اصل ہیں اور کوئی آپ کا ہمسر و ہم رتبہ نہیں۔

اصلی سبب تالیف

اس خیال سے اسکا ترجمہ تو اُن مقدس علما پر لازم تھا جنکا علم و کمال اور تقدس سب سے بڑھا ہو۔ اور ہمارا شمار تو اُن لوگوں میں ہو جو نہ نحو جانیں نہ صرف نہ علم معانی و بیان نہ علم ادب نہ ایکدم کے لیے اطمینان ہو نہ کتابیں ہیں نہ اُسکی شرحیں اور ترجمے پھر کس اعتماد پر ہم اسکے ترجمہ کا حوصلہ کریں ؟ چھوٹا منہ

"بڑی بات" سب کہدینگے۔ کیونکہ معمولی درجہ کی کتاب کا بھی ترجمہ نہایت مشکل ہے۔ ایک زبان سے دوسری زبان میں نقل کرنا بنفسہٖ اہم ہے کیونکہ ہر زبان کے محاورات علاحدہ ترکیبیں جداگانہ بندشیں نرالی۔ اور یہ کتاب تو اس درجہ کی ہے کہ بعد کلام الٰہی کوئی اسکا ہمسر نہیں پھر ہمارا ایسا نادان کیونکر اسکا ارادہ کرتا۔ مگر اس ارادہ کا محرک دوسرا ہے اور اسکا باعث ایک ایسا امر ہے کہ بجز علام الغیوب کوئی اُسکو جانتا نہیں وہ یہ کہ ایک روز جب میں شہر عظیم آباد میں بغرض مطب متوکلاً علی اللہ مقیم تھا تو میرے بعض اہلِ تعارف نے جو ہندو سے مسلمان ہو کر اہل حدیث بنے اور اس مذہب میں ایسے پختہ ہوئے کہ علما میں انکا بھی شمار ہونے لگا اثنائے گفتگو میں جب ہر طرف سے بند ہوئے کیونکہ یہ گفتگو محض دوستانہ تھی اور پتہ پتہ کی باتیں۔ جس سے وہ خوب سمجھ رہے تھے کہ ہم بحیثیت مناظرہ سر بر نہیں ہو سکتے یہ کہا "ہم اُسوقت تبدیل مذہب کر سکتے ہیں یعنی شیعہ ہو سکتے ہیں کہ جب آپ سچی پیشینگوئیوں میں آپ اپنے مذہب کی کوئی ایسی کتاب دکھائیے جسکی نظیر ہمارے مذہب اہل سنت میں نہو۔ کیونکہ آیتوں اور حدیثوں سے استدلال فریقین میں ہے۔ ہم آپکے مسائل خاصہ پر ہنستے ہیں آپ ہمارے مسائل خاصہ پر۔ حدیثوں کی جانچ پڑتال آپکے یہاں بھی ہے ہمارے یہاں بھی۔ علما ہزارہا ہمارے یہاں بھی گذرے آپ کے یہاں بھی۔ علم رجال کی کتابیں ہمارے یہاں بھی ہیں آپکے یہاں بھی۔ عقلا حکما ہمارے یہاں بھی گذرے ہیں آپکے یہاں بھی۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلعم پر آپکا بھی ایمان ہے ہمارا بھی۔ صاحب شریعت نہ آپ اپنے ائمہ کو مانتے ہیں نہ ہم صحابہ یا خلفا کو ہر امر میں ہم آپ برابر ہیں۔ لہذا ہمنے بھی معیار قائم کی ہے کہ جسکے یہاں **پیشینگوئیوں** کا ذخیرہ زیادہ ہو وہی مذہب حق ہے اور وہی قابل قبول۔ کیونکہ ہمیشہ پیشینگوئی قبل از وقوع کی جاتی ہے اور تصدیق اُسکی واقعات مابعد سے ہوتی ہے۔ آپ چونکہ اسکے قائل ہیں کہ امام آپ کے یہاں منصوص من اللہ و الرسول ہوتا ہے اور ہر عیب و خطا سے معصوم لہذا اُن لوگوں کا کلام ضرور ایسی صفت سے موصوف ہوگا اور وہ امور غیبیہ کی خبر زیادہ دے گئے ہونگے۔

میں نے اُسیوقت یہ جواب دیا کہ ہم بھی اس معیار کو مانتے ہیں گو من حیث الشرع اسکو چنداں دخل نہیں۔ مگر ہم آپکی فرمائش کے مطابق ایک ایسی کتاب پیش کرتے ہیں جسکو آپکے تمامی علمانے قبول کیا ہے کہ یہ کتاب نہایت قدیم ہے اور اسمیں صرف مقولے جناب امیرؑ کے جمع کئے گئے ہیں۔ نام اُس کا

نہج البلاغہ ہے دیکھئے اُسمیں کسقدر مغیبات کی خبر ہے اور کسطرح اُسکی تصدیق ہوئی۔
یہ نام سنتے ہی چہرہ کا رنگ فق ہوگیا اور خاموش ہوگئے۔ ہرچند میں نے کوشش کی کہ اسیوقت
دو چار واقعات انکے دکھادوں جنکی خبر حضرت نے قبل از واقعہ دی ہے اور انکے علما نے اسکا اقرار کیا ہے
کہ یہ واقعہ مطابق ہے اُس کلام کے جو جناب امیرؑ خبر دے گئے تھے مگر اُنھوں نے ایسا ٹالا کہ کسیطرح
اُسپر قائم نہ رہے تاہم صرف نواب صدیق حسن خاں کے ابجد العلوم کی یہ عبارت پیش کی گئی۔
ومن كلامه فی ذلك خراب البصرة بالريح بالراء والحاء المهملتين بينهما اخر
الحروف قال الحافظ الذهبی ما علم تصحيف هذه الكلمة لا بعد المائتين من الهجرة
بعد خراب البصرة بالزنج بالزاء والنون والجيم ص ۳۸۳

مگر چونکہ یہ تقریر محض معمولی طور پر تھی انھوں نے کچھ سکوت سے کچھ ادھر اُدھر کی باتوں سے کام لیکر
رخصت ہوئے ہرچند میں کہتا رہا ان پیشینگوئیوں کو دیکھتے جایئے اور ایفاے عہد کیجئے مگر ایک نہ سنی
کیونکہ وہ اپنے فہم میں سمجھے ہوئے تھے یہ ایسی فرمائش ہم کر رہے ہیں جو قریب قریب محال ہے اس کتاب کا
نام سنتے ہی حواس باختہ ہوئے اُسیوقت سے یہ ارادہ میرے دل میں موجزن ہوا کہ کسی طرح اس کنز
مخفی کو عالم شہود میں لاؤں اور اپنی قوم کو اس دولت لازوال سے فائدہ پہنچاؤں مگر عوائق و علائق ایسے
مانع رہے کہ کچھ نہو سکا یہانتک کہ رسالۃ الوضو کی بدولت مجھے تقیہ چھوڑنا پڑا جسپر بہت سے گمنامی
خطوط اس مضمون کے آئے کہ رسالۃ الوضو نے عام طور پر اہل حدیث کو متزلزل کر دیا ہم تمہیں ایذا
پہنچائینگے اور بر سر بازار قتل کرینگے۔ لہٰذا میں نے وطن کا ارادہ کیا جہاں ان خوفوں سے امن تھا۔
الحمد للہ کہ اب وطن میں بیٹھکر یہ خدمت انجام دے رہا ہوں خدا کرے ہماری قوم اس دُرِ نایاب سے
مستفید ہو اور میرے حق میں دعاء خیر کرے۔ اللّٰھم تقبل منا انك انت السميع العليم۔
اس تمہید کے بعد اگرچہ اب اسکا موقع تھا کہ کچھ فضائل و مناقب حضرت کے بیان کرتا۔ مگر جس شخص کے
فضائل و مناقب بحر بے پایاں ہوں اُسکی کوئی فضیلت کیا بیان ہو سکتی ہے خصوصاً جبکہ کتاب مستطاب
عبقات الانوار کی مبسوط جلدیں صرف ایک ایک حدیث میں اس ضخامت پر فائز ہوں۔
اور تمام عالم میں شہرت پا رہی ہوں تو دوسرا کوئی کیا لکھ سکتا ہے بس وہی کافی ہے ہاں یہ بیان کرنا
ضروری ہے کہ حضرت مظہر العجائب و مظہر الغرائب علی بن ابی طالب علیہ السلام کی ذات

بابرکات بھی عجیب طرح پر مجموعہ اضداد ہے کہ کوئی شخص سمجھ نہیں سکتا۔
ایک گروہ کا تو یہ خیال ہے کہ معاذ اللہ وہ حضرت خود خداوند عالم ہیں جو اس ہیکل میں ظاہر ہوئے دوسرا گروہ یہ
کہتا ہے کہ نہیں خدا نے حضرت کی ذات میں حلول کیا ہے جس سے یہ عجیب و غریب قدرتیں ظاہر ہوتی ہیں تیسرے
گروہ کا یہ خیال ہے کہ معاذ اللہ وہ حضرت کافر تھے اون پر لعنت کرنی چاہئے۔ چوتھا گروہ یہ کہتا ہے کہ نہیں
وہ مرد مومن تھے۔ چوتھے درجہ میں خلیفہ ہوئے۔ پانچواں فرقہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ نہ وہ خدا ہیں نہ
نبی نہ ان خلفا کے ایسے خلیفہ بلکہ وہ امام مفترض الطاعۃ ہیں جن کی امامت منصوص من اللہ و الرسول ہے
اور وقت ولادت سے تا بزمانہ شہادت ہر خطا و گناہ سے معصوم تھے جیسا کہ انبیا معصوم ہوتے ہیں۔
یہ عقیدہ صرف شیعوں کا ہے اور پہلے دو تو گروہ نصیری یا غالی کہلاتے ہیں جنکا وجود اس ہندوستان میں نہیں
دیکھا جاتا لیکن دیگر بلاد میں بکثرت ہیں۔ اور تیسرا گروہ خارجی کہلاتا ہے جو مسقط و زنجبار وغیرہ میں آباد ہے
چوتھا فرقہ وہی ہے جو اہل سنت یا سنی کہا جاتا ہے اور ہر جگہ اس فرقہ کی افراط ہے۔ مگر خود ان میں اس مسئلہ میں بقدر
اختلاف ہے کہ آدمی سمجھ نہیں سکتا کیا حالت ہے۔ کیونکہ ان میں جو صوفی ہیں اور اکثر صوفی ہیں انکا اعتقاد تو قریب قریب
وہی ہے جو نصیری اور غلاۃ کا ہے کہ خدا کہنے میں کوئی عذر ہی نہیں۔ رہے دوسرے فرقہ والے جو متکلم کہے جاتے
ہیں کہ انکا کام صرف یہ ہے کہ شیعوں سے لڑیں انکی خواہش یہ ہے کہ کسی فضیلت میں وہ حضرت خلفائے ثلثہ سے
بڑھنے نہ پائیں۔ جہاں تک ہو سکے ہمسر خلفا بنائے جائیں بلکہ پستر تاکہ ترتیب فضیلت بھی ترتیب خلافت
کے مطابق ہو۔ تیسرا فرقہ ان میں اہل حدیث کا ہے جو حدیثیں تو سب وہی لکھتے ہیں جن سے شیعہ استدلال
کرتے ہیں اور امامت و عصمت ثابت کرتے ہیں مگر ان محدثین کے دل ان حدیثوں کے بالکل مخالف ہیں اور
نہیں چاہتے کہ کوئی فضیلت حضرت کی ظاہر ہو۔ مگر ایسے مجبور ہیں کہ چھپا نہیں سکتے بجز اسکے کہ تاویل کر کے
بات بنائیں۔ یہ اختلاف انکا صرف فرقوں ہی میں نہیں تقسیم پائے ہوئے ہے بلکہ ایک شخص واحد جب
تصوف کے مذاق پر لکھتا ہے تو اسکی دوسری شان ہوتی ہے۔ اور جب علم کلام کی کتاب لکھتا ہے تو دوسرا رنگ
پیدا ہوتا ہے۔ اور جب وہ حدیث کے فن میں آتا ہے تو اور ہی شان ہوتی ہے۔ یہ باتیں ایسی ہیں کہ کچھ سمجھ میں نہیں
آسکتیں مثال کے طور پر صرف شاہ ولی اللہ صاحب کا قول ملاحظہ کیجئے کہ کتاب تفہیمات الٰہیہ
میں لکھتے ہیں جو مذاق تصوف پر ہے۔

یا اخی انی ذاکر بتک من الوجاھۃ واحدا من الالف اذا صار العبد وجیھا اجمل و اکمل

فتكون كل خطوة منه يخطوها حسنة وكل حركة يتحرك بها حسنة واذا دفع اللقمة الى فمه كانت حسنة واذا اسنت فرسه كان له بكل خطوة حسنة واذا قام كان انقلاباته يمنة ويسرة كلها حسنات ويشكر الله منها مالا يشكر اضعافه من غيره وهو المحبوب ولاجله خلق ما خلق واذا تمت العصمة كانت افاعيله كلها حقه لا اقول انها تطابق الحق بل هي الحق بعينها بل الحق امر ينعكس من تلك الافاعيل كالضوء من الشمس واليه اشار رسول الله حيث دعى الله تعالى لعلى اللهم ادر الحق معه حيث دار ولم يقل ادره حيث دار الحق۔

اے بھائی یہنے وجاہت کے بیان میں ہزار بار ایک تم سے بیان کیا ہے۔ بندہ جسوقت وجیہ ہوتا ہے تو بہ جمیل اور کامل ہوتا ہے جو قدم اُٹھاتا ہے یا کوئی حرکت کرتا ہے یا لقمہ اُٹھا کر منہ میں ڈالتا ہے یا گھوڑا اُسکا قدم رکھتا ہے برابر اس میں ہر بات حسنہ ہوتا ہے۔ سونے میں جو داہنے بائیں کروٹ لیتا ہے یہ کروٹیں بدلنا بھی حسنہ ہوتا ہے قبول کرتا ہے خدا اُس چیز کو کہ جسکے اضعاف اُسکے غیر سے قبول نہیں کرتا وہی محبوب ہے اُسی کیواسطے کل مخلوقات پیدا ہوئی اور جب عصمت تمام ہو جاتی ہے تو ہوتے ہیں تمام افعال اُسکے حق۔ میں یہ نہیں کہتا کہ وہ افعال مطابق حق ہوتے ہیں بلکہ وہ افعال اُسکے عین حق ہوتے ہیں بلکہ حق ایک امر ہے کہ منعکس ہوتا ہے اُسکے افعال سے جیسا کہ ضوء (روشنی) منعکس ہوتی ہے آفتاب سے اور اسی کی طرف اشارہ کیا ہے رسول اللہ نے جبکہ دعا کی خدا سے علی کیلئے کہ خدایا پھیر تو حق کو ساتھ اسکے جسطرف کہ وہ پھرے۔ اور یہ نہ فرمایا کہ علی کو پھیر جدھر حق پھیرے۔

یہ ایسی تقریر ہے کہ باستثناے غلاۃ تمام شیعوں کا یہی عقیدہ ہے اور سر مو اس سے زیادہ یا کم کرنا اُنکے مذہب کے خلاف ہے جس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے واقعی تعریف لکھدی اور یہی اُنکا عقیدہ ہے مگر در حقیقت ایسا نہیں ہے کیونکہ فن کلام کی کتابوں میں جاکر شاہ صاحب دوسرا جلوہ دکھاتے ہیں بلکہ دوسرے شخص بنجاتے ہیں۔ کیونکہ قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین میں لکھتے ہیں جسکے تصنیف کی یہ غرض ہے کہ شیخین کو جناب امیر سے افضل قرار دیں۔ بلکہ غلط از حضرت مرتضے واقع شدہ وآں غلط در نفس مسئلہ فقہ بود صفحہ ۱۸۳ پھر لکھتے ہیں۔ پس بعد از ذکر غلطات حضرت مرتضے در کتب متداولہ بجہت اختفاے علم و اختلال در قضایاے اوست چوں رواۃ او مستور الحال غیر حفاظ بودہ اند صفحہ ۱۸۳

اب کیونکر کوئی سمجھ سکتا ہے کہ انکی ان دونوں تقریروں میں کون سی تقریر درست ہے اور کون سی غلط اور کون سے عقیدہ کے پابند ہیں کیونکہ دونوں تقریریں شخص واحد کی ہیں لیکن حق یہ ہے کہ ما اضمر احد شیئاً الا ظہر فی صفحات وجہہ و فلتات لسانہ جو شخص کسی چیز کو اپنے دل میں چھپاتا ہے وہ اُسکے چہرہ کے صفحات میں اور زبان کی بے اختیاری کلمات سے ظاہر ہو جاتی ہے چونکہ شاہ صاحب کے دل میں نسبت جناب امیر المومنین علیہ السّلام کے نہایت بغض بھرا ہوا ہے لہذا وہ اُنکی زبان کے بے اختیاری کلمات سے ظاہر ہو جاتا ہے اسی وجہ سے اہل انصاف نے صاف صاف حکم لگا دیا ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب متبع مذہب نواصب ہیں چنانچہ مولوی حسن الزمان صاحب قول مستحسن میں لکھتے ہیں صفحہ ۱۶۰ کہ ابن تیمیہ جناب امیر المومنین علیہ السّلام کے عدم صحت اسلام کا قائل ہے اور اُن جناب پر اور ذریت طاہرہ پر اعتراضات سخیفہ مردودہ کرتا ہے اور اُسی طریقہ ابن تیمیہ پر چلے ہیں صاحب قرہ (ولی اللہ) اور ایسے تلویحیں کی ہیں جو قریب بتصریح ہیں اور ایسے اشارے کئے ہیں جو عبارات میں شبیہ ہیں اور ادنے تغیر کیا ہے اُن باتوں میں جو نواصب کہتے ہیں ساتھ ہے اسکے ہر جگہ حضرت علی مرتضٰی کو بلفظ مرتضٰی یاد کیا ہے اور ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء میں تو ایسی باتیں لکھی ہیں جس سے اس کتاب کا نام ازالۃ الخلافۃ والہدایۃ عن خاتم الخلافۃ و فاتح الولایۃ قرار پاتا ہے یعنی یہ کتاب بغرض ازالہ خلافت و ہدایت جناب امیر المومنین علیہ السّلام سے کہ جو خاتم خلافت و فاتح ولایت تھے لکھی گئی ہے اور ہم جائز نہیں جانتے کہ کوئی بات اُن باتوں سے نقل کریں۔ دونوں کتابیں لوگوں کے درمیان ابتک موجود ہیں اسکے علاوہ اس عالم نے بہت سے اقوال شاہ ولی اللہ صاحب نقل کئے ہیں اور اُن کی رد کی ہے اور پورے طور پر ناصبیت و خارجیت اُنکی ثابت کی ہے جسکو بوجہ اختصار ہم نہیں لکھتے اہل فہم کے لئے وہی کافی ہے جو اس رسالہ میں اُنکے اقوال منقول ہوئے۔

اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جس شخص کے کمالات نفسانی ایسے ہوں کہ خود اُن کا عدو جانی اُسکا اقرار کرے اور اس وضاحت سے تو اُسکا کلام کس پایہ عالی پر فائز ہوگا۔ چنانچہ تصدیق اسکی عنقریب ترجمہ میں ظاہر ہوگی۔

(نہج البلاغۃ کا کلام جناب امیر المومنین علیہ السّلام سے مجموع ہونا باقرار علماء اہل سنت)

اسکو بھی از جملہ آثار علوے حق سمجھنا چاہیے کہ خود علمائے اہل سنت نے بتصریحات صریحہ اسکا اقرار کیا ہے

کہ کتاب مستطاب نہج البلاغۃ مجموعہ ہو جناب امیرالمومنین کے اُس بے بہا کلام کا جسکے نسبت کہا جاتا ہو کہ کلام خالق کے ماتحت ہو اور کلام مخلوق کے مافوق۔ اگرچہ اسکے اثبات کی ضرورت نہ تھی کیونکہ یہ امر بہت مشہور ہو مگر اہل سنت کا یہ خاص خاصہ ہو کہ جہاں چاہتے ہیں اقرار کرتے ہیں اور جہاں چاہتے ہیں انکار کر دیتے ہیں۔ لہذا تسکین عوام کے لئے اُنکے معتبر علما کا اقرار یہاں بالاختصار لکھ دیا جاتا ہو جسکے بعد پھر کسیکو عذر نہ رہے

(۱) علامۂ احمد بن منصور گارزونی مفتاح الفتوح میں بذیل ذکر جناب امیر لکھتے ہیں ومن تامل فی کلامہ وکتبہ وخطبہ ورسالاتہ علم ان علمہ لا یوازی علم احد وفضائلہ لا یشاکل فضائل احد بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ومن جملتہا کتاب نہج البلاغۃ وایم اللہ لقد وقف دونہ فصاحۃ الفصحا وبلاغۃ البلغا وحکمۃ الحکماء۔ یعنی جو شخص بغور وتامل دیکھے حضرت کے کلام کو اور آپکے نامون کو اور خطبوں کو اور پیاموں کو تو سمجھیگا کہ حضرت کا علم کسی کے علم کے مقابل نہیں ہو (بلکہ سب سے بہتر ہی) اور آپکے فضائل کسی کے فضائل سے مشابہ نہیں ہیں (بلکہ سب سے بالاتر ہیں) بعد جناب سالتمآب کے۔ اور منجملہ انکے ہو کتاب نہج البلاغۃ قسم خدا کی ٹھہر گئی اُس سے پست تر فصاحت سب فصیحوں کی اور بلاغت سب بلیغوں کی اور حکمت سب حکیموں کی (کہ کوئی آپکا مقابلہ نہیں کر سکتا)

(۲) ملا یعقوب لاہوری شرح تہذیب الکلام میں لکھتے ہیں وافصح ومن اراد مشاہدۃ بلاغتہ ومسامعۃ فصاحتہ فلینظر الی نہج البلاغۃ ولا ینبغی ان ینسب ھذا الکلام البلیغ الی رجل شیعی وما ذکر فیہ من بعض الالفاظ الموھم بخلاف ما علیہ اھل السنۃ فعلی تقدیر ثبوتہ منہ لہ محامل وتاویلات وقال البلغاء ان کلامہ دون کلام الخالق وفوق کلام المخلوق یعنی جو شخص چاہے کہ حضرت کی بلاغت کا مشاہدہ کرے اور فصاحت کو حضرت کی سُنے تو لازم ہو کہ وہ نظر کرے کتاب نہج البلاغۃ کیطرف اور کسیطرح مناسب نہیں ہو کہ ایسے کلام بلیغ کی نسبت کی جاے ایک مرد شیعی کیطرف۔ رہا یہ امر کہ کتاب نہج البلاغۃ میں بعض الفاظ ایسے ہیں کہ مخالفت مذہب اہل سنت کا وہم اس سے پیدا ہوتا ہو تو اُسکے لئے محامل وتاویلات ہیں۔ اور سب بلیغوں کا یہ مقولہ ہو کہ حضرت کا کلام تحت کلام خالق وفوق کلام مخلوق ہو

(٣) شیخ احمد بن مصطفےٰ معروف طاشکبری زادہ کتاب شقائق نعمانیہ فی علماء الدولۃ العثمانیہ میں لکھتے ہیں
ملاحظہ ہو حاشیہ وفیات الاعیان ص ٣٦٩

ومنھم العالم الفاضل الکامل المولیٰ قوام الدین یوسف المشتہر بقاضی بغداد وکان من بلاد العجم من مدینہ شیراز وکان قاضیا ببغداد مدۃ فلما حدثت فتنہ ابن اردبیل ارتحل الی ماردین وسکن ھناک مدۃ ثم ارتحل الی بلاد الروم واعطاہ السلطان بایزید خان بروسہ ثم اعطاہ احدی المدارس الثمان ثم ارتحل الی جوار الرحمٰن فی اوائل سلطنۃ السلطان سلیم خان ادخلہ اللہ تعالیٰ دار الجنان وشرفہ بالکرامۃ والرضوان۔ کان رحمہ اللہ تعالیٰ شریفا عالما صالحا متشرعا زاھدا ذا ھیبۃ ووقار صنف شرحا جامعا للفوائد للتجرید وشرح نہج البلاغۃ للامام الہمام علی بن ابیطالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ وصنف کتابا جامعا لمقدمات التفسیر ولہ رسائل وحواشی وغیر ذلک الا انھا ضاعت بعد وفاتہ لصغر اولادہ طیب اللہ تعالےٰ مضجعہ وبرد مضجعہ۔

خلاصہ یہ ہے کہ عالم فاضل کامل قوام الدین یوسف قاضی بغداد مشہور ہیں شیراز کے رہنے والے تھے جو ملک ایران کا ایک شہر ہے ایک مدت تک بغداد کے قاضی رہے بعہد سلطان سلیم خاں انتقال کیا وہ شریف تھے عالم صالح متشرع زاہد صاحب ہیبت ووقار اُنھوں نے تجرید کی شرح لکھی ہے جو جامع فوائد ہے اور کتاب نہج البلاغۃ کی شرح لکھی جو کلام امام ہمام علی ابن ابیطالب کرم اللہ وجہہ ہے اور ایک اور کتاب لکھی ہے جو جامع مقدمات تفسیر ہے اور اُنکے اور بھی رسائل وحواشی وغیرہ ہیں مگر بسبب صغر سنی اُنکی اولاد کے کتابیں اُنکی ضائع ہوئیں۔

(٤) علامۂ تفتازانی شرح مقاصد میں لکھتے ہیں وایضا ھو افصحھم لسانا علی ما یشھد بہ کتاب نہج البلاغۃ ص ٣٠١ جلد ثانی طبع اسلامبول۔ یعنی جناب امیرؑ سب سے زیادہ فصیح تھے جیسا کہ شاہد اسکی کتاب نہج البلاغۃ ہے۔

(٥) اور علامہ قوشجی شرح تجرید میں لکھتے ہیں وافصحھم لسانا علی ما یشھد بہ کتاب نہج البلاغۃ وقال البلغاء ان کلامہ دون کلام الخالق وفوق کلام المخلوق ص ١٨٦ طبع ایران

یعنی جناب امیرؑ سب سے زیادہ فصیح تھے جسکی شاہد کتاب نہج البلاغۃ ہے۔ اور کہا ہے بلیغوں نے کہ حضرت کا کلام فوق کلام مخلوق و تحت کلام خالق ہے۔

یہ آخر والی دونوں عبارتیں اس بیان میں ہیں کہ شیعوں کا استدلال لکھا کہ وہ ان وجہوں سے فضیلت جناب امیرؑ کے قائل ہیں۔ اُن وجوہ فضیلت میں فصاحت لسانی کو حضرت کی بیان کیا اُسکی شرح میں علامہ تفتازانی و قوشجی نے لکھا کہ دلیل اُس فصاحت کی یہی کتاب نہج البلاغۃ ہے۔ اس کے بعد شیعوں کے استدلالات کا جواب دیا ہے مگر اس سے نہیں انکار کیا کہ یہ کتاب حضرت کے کلام سے نہیں ہے بلکہ تسلیم کیا

(۶) وفیات الاعیان ابن خلکان میں ہے و قد اختلف النّاس فی کتاب نہج البلاغۃ المجموع من کلام علی بن ابیطالبؑ هل هو جمعه او اخیه الرضی وقد قیل انه لیس من کلام علی بن ابیطالبؑ وانما الذی جمعه ونسبه الیه وهو الذی وضعه واللہ اعلم۔

اس عبارت سے گو اختلاف لوگوں کا معلوم ہوا کہ کون جامع ہے اور آیا وضعی ہے یا اصلی مگر علامہ ابن خلکان کی رائے بھی معلوم ہوئی کہ یہ مجموعہ ہے کلام جناب امیر علیہ السّلام کا۔

(۷) قریب اسی کلام کے علامہ یافعی نے مراۃ الجنان میں بھی لکھا ہے

(۸) نواب صدیق حسن خاں ابجد العلوم میں لکھتے ہیں بذیل ذکر جناب سید مرتضٰے علم الهدے علیہ الرحمہ و قد اختلف النّاس فی کتاب نہج البلاغۃ المجموع من کلام الامام علی بن ابیطالبؑ هل هو جمعه ام جمع اخیه الرضی ص ۵۴۲ یعنی لوگوں نے اسمیں اختلاف کیا ہے کہ کتاب نہج البلاغۃ جو مجموعہ کلام امیر المومنین علی بن ابیطالب ہے اُسکو سید مرتضٰے علیہ الرحمہ نے جمع کیا یا اُنکے بھائی رضی نے۔ جس سے اسکی بخوبی تصدیق ہوئی کہ نواب صاحب اسکو مجموعہ کلام جناب امیر جانتے ہیں خواہ جامع اُسکے سید مرتضٰے علیہ الرحمہ ہوں یا سید رضی اسکے بعد یہ بھی لکھا ہے کہ جامع اسکے سید رضی علیہ الرحمہ ہیں اور وہی واضع ہیں مگر خود بہ لفظ قیل اس قول کو ضعیف کر دیا۔

ان عبارتوں کے دیکھنے سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ایسے ایسے مستند اور جید علما نے باوصف علم اسکے کہ اکثر مضامین کتاب مستطاب نہج البلاغۃ کے خلاف اصول مقررہ اہل سنت ہے۔ اسکا اقرار کیا کہ درحقیقت یہ مجموعہ ہے کلام جناب امیر علیہ السّلام کا اور کسی طرح کا اُنکو اسمیں تامل نہیں حالانکہ ہم آگے چل کر شرح

میں ہر مقام پر بتادینگے کہ جن جن فقرات کی نسبت اہل سنت کو اعتراض ہے یا اُسکو اپنے مقرر کردہ اصول کے خلاف سمجھتے ہیں۔ وہ خود انکی صحاح ستہ اور دیگر کتب معتمدہ سے بخوبی ثابت ہے پھر اسکے کلام جناب امیرؑ ہونے سے انکار کرنا کس درجہ کی ناانصافی ہے۔

چونکہ زمانہ کا رنگ بدل گیا تقلید جامد کا پھندا ٹوٹ گیا ظلمت ظلم و جور کم ہو رہی ہے سفیدی صبح عدل و انصاف پھیل رہی ہے لہذا اب یہ جادو چل نہیں سکتا کہ یہ کلام کسی مرد شیعی نے یا خود جناب سید رضی علیہ الرحمہ نے بناکر حضرت کیطرف منسوب کر دیا۔ کیونکہ حق بینی کی عینک ہمکو بتا رہی ہے کہ یہ کلام دوسری زبان سے نکل ہی نہیں سکتا محال ہے۔ پھر کیوں اس سے انکار کیا جاے جبکہ اس کلام کے مضامین صحاح ستہ و دیگر مسانید و سنن و تواریخ معتمدہ کے مرویات سے ثابت ہیں۔ چونکہ علامہ ابن ابی الحدید معتزلی نے جنکی مدح و ثنا انشاء اللہ تعالی آیندہ لکھی جائیگی اپنی شرح میں نہج البلاغۃ کی صحت کے متعلق اسی عنوان سے ایک نہایت نفیس و متین تقریر کی ہے لہذا ہم اُسکو بعینہ یہاں نقل کرتے ہیں علامہ مذکور ابن ابی الشخناء[1] کا ایک خطبہ نقل کرکے اس طرح لکھتے ہیں

(۹) هذه احسن خطبة خطبها هذا الكاتب وهي كما تراها ظاهرة التكلف بينة التولید تخطب على نفسها وانما ذكرت هذا لان كثيرا من ارباب الهوى يقولون ان كثيرا من نهج البلاغة كلام محدث صنعه قوم من فصحاء الشيعة وربما عزوا الى الرضي ابى الحسن وغيره وهولاء قوم اعمت العصبية اعينهم فضلوا عن النهج الواضح وركبوا بنيات الطريق ضلالا وقلة معرفة باساليب الكلام وانا اوضح بكلام مختصر ما في هذا الخاطر من الغلط فاقول لا يخلو اما ان يكون كل نهج البلاغة مصنوعا منحولا او بعضه والاول باطل بالضرورة لانا نعلم بالتواتر صحة اسناد بعضه الى امير المومنين ع وقد نقل المحدثون كلهم او جلهم والمورخون كثيرا منه وليسوا من الشيعة لينسبوا الى غرض في ذلك والثاني يدل على ما قلناه لان من قد انس بالكلام والخطابة وشدا طرفا من علم البيان وصار له ذوق في هذا الباب لا بد ان يفرق بين الكلام الركيك وبين الفصيح والافصح وبين الاصيل والمولد واذا وقف على

[1] ابن الشخناء ایک شخص ابو عسقلان کا رہنے والا تھا اسکا کلام بقول ابن ابی الحدید کے زمانہ میں لوگ بہت پسند کرتے تھے ۱۲ منہ

ادیب

كراس واحد يتضمن كلاما لجماعة من الخطباء او لاثنين منهم فقط فلا بد ان يفرق بين الكلامين ويميز بين الطريقتين الا ترى انا مع معرفتنا بالشعر ونقده لو تصفحنا ديوان ابی تمام فوجدناه قد كتب فی اثنائه قصائد وقصيدة واحدة لغيره لعرفنا بالذوق مباينتها لشعر ابی تمام ونفسه وطريقته ومذهبه فی القريض الا ترى ان العلماء بهذا الشان حذفوا من شعر ابی نواس شيئا كثيرا لما ظهر لهم انه ليس من الفاظه ولا من شعره وكذلك غيرهما من الشعراء ولم يعتمدوا فی ذلك الا على الذوق خاصة و انت اذا تاملت نهج البلاغة وجدته كله ماء واحدا ونفسا واحدا واسلوبا واحدا كالجسم البسيط الذی ليس بعض من ابعاضه مخالفا لباقی الابعاض فی الماهية وكالقرآن العزيز اوله كاوسطه واوسطه كآخره وكل سورة منه وكل آية مماثلة فی المأخذ والمذهب والفن والطريق والنظم لباقی الآيات والسور ولو كان بعض نهج البلاغة منحولا وبعضه صحيحا لم يكن ذلك كذلك فقد ظهر لك بهذا البرهان الواضح ضلال من زعم ان هذا الكتاب او بعضه منحول الى امير المومنين عليه السّلام واعلم ان قائل هذا القول يطرق على نفسه ما لا قبل له به لانا متى فتحنا الباب وسلطنا الشكوك على انفسنا فی هذا النحو لم نثق بصحة كلام منقول عن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ابدا وساغ لطاعن ان يطعن ويقول هذا الخبر منحول وهذا الكلام مصنوع وكذلك ما نقل عن ابی بكر وعمر من الكلام والخطب والمواعظ والادب وغير ذلك وكل امر جعله هذا الطاعن مستندا له فيما يرويه عن النبی صلى الله عليه وآله والائمة الراشدين والصحابة والتابعين والشعراء والمترسلين والخطباء فلناصری امير المومنين عليه السّلام ان يستندوا الى مثله فيما يروونه عنه من نهج البلاغة وغيره وهذا واضح۔

یہ خطبہ ابن الشحنا اُسکے بہترین خطبوں سے ہے لیکن جیسا کہ تم دیکھتے ہو اس خطبہ کا تکلف ظاہر ہے اور اسکی بناوٹ کھلی ہوئی ہے یہ خطبہ خود ہی اپنے عیوب کو بتا رہا ہے اور اسلئے میں نے اس خطبہ کو یہاں نقل کیا کہ اکثر ارباب ہوے کہتے ہیں کہ نہج البلاغۃ کا اکثر کلام مصنوعی ہے جسے ایک قوم نے فصحاے شیعہ سے وضع کیا ہے۔ اور کبھی اُسکو منسوب کرتے ہیں ابو الحسن سید رضی وغیرہ کیطرف۔ حالانکہ یہ گمان کرنیوالے وہ لوگ ہیں

جنکی آنکھوں کو تعصب نے اندھا کر دیا جس سے وہ گمراہ ہوئے راہ واضح سے اور اپنی گمراہی کی وجہ سے بھٹکانے والی راہوں میں چلے آور یہ امر اُنسے ظاہر ہوا بوجہ قلت معرفت کے اسلوب کلام سے اور میں ایک تقریر مختصر سی اس وہم کے اغلاط کو دفع کیلئے دیتا ہوں اور کہتا ہوں دو حال سے خالی نہیں یا تو کل کتاب نہج البلاغۃ وضعی و مصنوعی ہو یا بعض حصہ اُسکا وضعی ہے۔ پہلا دعوے تو بالبداہہ باطل ہو کیونکہ بعض خطبوں کے اسناد حضرت کیطرف ہمکو متواتر معلوم ہیں۔ کیونکہ کل محدثین نے یا اکثر محدثین اور سب مورخین نے بہت سے خطبوں کو حضرت کے روایت کیا ہو۔ وہ محدثین و مورخین تو شیعہ نہ تھے جو کسی غرض سے اسکی نسبت حضرت کیطرف کرتے (حالانکہ بہت سے خطبوں سے کوئی غرض بھی شیعوں کی نہیں حاصل ہوتی)

رہا دوسرا دعوے کہ بعض خطبے وضعی ہوں پس خود یہی دعوئے ہمارے دعوے (صحت کل کلام) کی دلیل ہو کیونکہ جسکو کچھ بھی اُنس ہو کلام اور فن خطابت سے اور کچھ بھی علم بیان سے اُسکو حصہ ملا ہو اور اسکا ذوق رکھتا ہو ضرور وہ فرق کرلیگا درمیان کلام رکیک اور فصیح اور افصح کے اور درمیان کلام اصل و مولد کے۔ وہ اگر ایک کراس (جز) بھی ایسا دیکھے جس میں مختلف بلیغوں کا کلام ہو خواہ وہ دو ہوں یا زیادہ۔ تو دونوں کلاموں میں فرق کرلیگا اور دونوں کے طریقوں میں تمیز کرلیگا کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر ہمکو شعر کی معرفت حاصل ہو اور ہم اُسکو یہ کہہ سکتے ہیں تو اگر کوئی شخص دیوان ابوتمام میں دو ایک قصیدے غیر کے لگا دے۔ تو ہم اپنے ذوق کلام سے پہچان جاتے ہیں کہ یہ کلام اجنبی ہو جو اُسکے انداز و طریقہ سے مماثلت نہیں رکھتا۔

کیا تمکو نہیں معلوم ہو کہ اس فن کے علما نے ابونواس کے دیوان سے بہت سے شعروں کو نکال دیا۔ کیونکہ اُنکے الفاظ سے سمجھ گئے تھے کہ نہ یہ کلام ابونواس ہو نہ اُسکے اشعار۔ یہی حال ہو اور شعرا کا اور علمائے شعر نے صرف اپنے ذوق سلیم کی بنا پر یہ کارروائی کی اسکے سوا اور کوئی ذریعہ نہ تھا۔ پس اگر تو تامل کرے نہج البلاغۃ میں تو پائیگا اُسے ایک طرح کا پانی اور ایک نفس اور ایک اسلوب مشابہ اُس جسم بسیط کے جسکے بعض اجزا مخالف باقی اجزا کے نہیں ہیں (اصطلاح علم طب میں جسم بسیط اُسکو کہتے ہیں جسکے اگر مختلف حصے کئے جائیں تو اُنمیں کسی طرح اختلاف نہو جیسے ٹھنڈی رگ پٹھا اور مرکب وہ جسم ہو جسکے اجزا مختلف ہیں مثل گوشت یا اُنگلی کے کہ رگ ہڈی پٹھا جھلی خون وغیرہ سے مرکب ہو بہت سے

اجزا اسمیں نکلتے ہیں اور یہی مطلب ہے ابن ابی الحدید کا کہ نہج البلاغۃ کے فقرات مماثل جسم بسیط ہے نہ جسم مرکب ہے جو اجزا مختلفہ سے مرکب ہوتا ہے جسکے اعضا میں کسی طرحکا اختلاف نہیں ماہیت میں) بلکہ تو نہج البلاغۃ کو مشابہ قرآن مجید پائیگا کہ اول و اوسط و آخر اُسکا ایک ہے بلکہ ہر سورہ اور آیہ ماخذ میں۔ مذہب میں۔ فن میں طریق میں اور نظم میں مماثل ہے باقی آیات و سور کے۔

اگر نہج البلاغۃ کا کچھ حصہ وضعی ہوتا اور کچھ اصلی تو ہرگز یہ انداز نہوتا۔ پس اس برہان قوی سے ظاہر ہوئی ضلالت اُن لوگوں کی جو اسکا گمان کرتے ہیں کہ نہج البلاغۃ یا بعض اُسکا وضعی ہے جو جناب امیر کیطرف منسوب کیا گیا۔

یہ بھی سمجھ رکھو کہ جو لوگ اس قسم کے شکوک و اوہام پیدا کرتے ہیں وہ خود اپنے لئے ایسے اشکال عظیم وارد کرتے ہیں جسکا کسیطرح دفیعہ نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اگر یہ باب مفتوح ہوا اور شکوک کو ہم اپنے دلوں میں جگہ دیں تو پھر اُن کلمات و روایات پر بھی وثوق نہیں رہ سکتا جو جناب رسالت مآب صلعم سے منقول ہیں۔ کیونکہ اُسپر بھی یہی اعتراض ہو سکتا ہے اور کہہ سکتے ہیں کہ یہ کلام وضعی ہے یا یہ حدیث جعلی ہے۔ اسیطرح جو کچھ ابوبکر و عمر سے منقول ہے کلام و خطب سے غرض جس قسم کا اعتراض یہ طاعن نہج البلاغۃ کرتا ہے اور جن باتوں سے استناد کر سکتا ہے اُنھیں باتوں سے اُسکے مخالف جو ناصر امیر المومنین علیہ السّلام ہیں وہ بھی استناد کر سکتے ہیں نہج البلاغۃ وغیرہ کے باب میں وھذا واضح اس تقریر زریں سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ کتاب مستطاب نہج البلاغۃ کس درجہ اور کس پایہ کی ہے کہ اُسکے اجزا میں ایسا اتصال ہے جیسا کہ ایک چشمہ کا پانی ہو عذوبت و سہولت میں یا قرآن کے ایک ایک سورہ بلکہ ایک ایک آیہ میں اتصال ہو کہ ذرہ برابر فرق نہو

آخر میں ہم اُس عبارت کو بھی لکھتے ہیں جو مصر کے فاضل اجل شیخ محمد عبدہ نے اپنی شرح میں مدح نہج البلاغہ میں لکھی ہے جس سے معلوم ہو کہ آجتک علماء اہل سنت کس زبان سے اسکا اقرار کرتے ہیں اور اُسکی مدح و ثنا میں رطب اللسان ہیں پھر حیف ہے کہ بعض جہال مدعی فضل و کمال ہوں اور نہایت جہالت سے یہ دعوے کریں کہ نہج البلاغۃ کی نسبت جناب امیر المومنین علیہ السّلام کی طرف ثابت نہیں فاضل مذکور لکھتے ہیں۔ وبعد فقد اوفى لى حكم القدر بالاطلاع على كتاب (نهج البلاغه) صدفة بلا تعمد اصبته على تغير حال وتبلبل بال وتزاحم اشغال وعطلة

من اعمال محنته تسلية وحيلة للتخلية، فتصفحت بعض صفحاته وتاملت جملا من عباراته من مواضع مختلفات، ومواضيع متفرقات، فكان يخيل لى فى كل مقام ان حروبا شبت وغارات شنت وان للبلاغة دولة وللفصاحة صولة وان للاوهام عرامة (١) وللريب دعارة وان جحافل الخطابة وكتائب الذرابة فى عقود النظام وصفوف الانتظام تنافح بالصفيح الابلج (٢) والقويم الاملج وتمتلج المهج برواضع الحجج فتفل من دعارة الوساوس (٣) وتصيب مقاتل الخوانس فما انا الا والحق منتصر والباطل منكسر ومرج الشك فى خمود (٤) وهرج الريب فى ركود وان مدبر تلك الدولة وباسل تلك الصولة هو حامل لوائها الغالب امير المومنين على بن ابى طالب

بل كنت كلما انتقلت من موضع الى موضع احس بتغير المشاهد وتحول المعاهد فتارة كنت اجدنى فى عالم يغمره من المعانى ارواح عالية فى حلل من العبارات الزاهية تطوف على النفوس الزاكية وتدنو من القلوب الصافية توحى اليها رشادها وتقوم منها مرادها وتنفر بها عن مداحض المزال الى جواد الفضل والكمال.

وطورا كانت تتكشف لى الجمل عن وجوه باسرة وانياب كاشرة وارواح فى اشباح النمور ومخالب النسور قد تحفزت للوثاب ثم انقضت للاختلاب فخلبت القلوب عن هواها واخذت الخواطر دون مرماها واغتالت فاسد الاهواء وباطل الآراء واحيانا كنت اشهد ان عقلا نورانيا لا يشبه خلقا جسدانيا فصل عن الموكب الالهى واتصل بالروح الانسانى فخلعه عن غاشيات الطبيعة وسما به الى الملكوت الاعلى ونما به الى

(١) العرامة الشراسة والدعارة سوء الخلق والجحافل الجيوش، والكتائب الفرق منها والذرابة حدة اللسان فى فصاحة والكلام تخييل حرب بين البلاغة وهاتجات الشكوك والاوهام (٢) تنافح تضارب اشد المضاربة والصفيح السيف والابلج اللامع البياض والقويم الرمح والاملج الاسمر وهى مجازات عن الدلائل والحجج القوية المبددة للوهم وان خفى مدركها وتمتلج اى تمتص والمهج دماء القلوب والمراد لا تبقى للاوهام شيئا من مادة البقاء (٣) فل الشىء ثلمه والقوم هزمهم والخوانس خواطر السوء تسلك من النفس مسالك الخفاء (٤) المرج الاضطراب والهرج هيجان الفتنه.

مشہد النور الاجلی وسکن بہ الی عمّا جانب التقدیس بعد استخلاصہ من شوائب التلبیس
وانا بت کانی اسمع خطیب الحکمۃ ینادی باعلیاء الکلمۃ واولیاء امر الامۃ یعرفہم
مواقع الصواب ویبصرہم مواضع الارتیاب ویحذرہم مزالق الاضطراب ویرشدہم
الی دقایق السیاسۃ ویھدیہم طرق الکیاسۃ ویرتفع بہم الی منصات الریاسۃ
ویصعدہم شرف التدبیر ویشرف بہم علی حسن المصیر۔

ذالک الکتاب الجلیل ھو جملۃ ما اختارہ السید الشریف الرضی رحمہ اللہ من کلام
سیدنا ومولانا امیر المومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ جمع متفرقہ وسماہ
بہذا الاسم (نہج البلاغۃ) ولا اعلم اسما الیق بالدلالۃ علی معناہ منہ ولیس فی وسعی ان
اصف ھذا الکتاب بازید مما دل علیہ اسمہ ولا ان اتی بشی فی بیان مزیتہ فوق ما اتی بہ
صاحب الاختیار کما ستراہ فی مقدمۃ الکتاب ولولا ان غرائز الجبلۃ وقواضی الذمۃ
تفرض علینا عرفان الجمیل لصاحبہ وشکر المحسن علی احسانہ لما احتجنا الی التنبیہ علی ما اودع
نہج البلاغۃ من فنون الفصاحۃ وما حص بہ من وجوہ البلاغۃ خصوصا وھو لم یترک
غرضا من اغراض الکلام الا اصابہ ولم یدع للفکر ممر الا جابہ

الا ان عبارات الکتاب لبعد عہدھا منا وانقطاع اھل جیلنا عن اصل لساننا قد
تجد فیہا غرائب الفاظ فی غیر وحشیہ وجزالۃ ترکیب فی غیر تعقید فربما وقف
فہم المطالع دون الوصول الی مفاہیم بعض المفردات او مضامین بعض الجمل ولیس
ذالک ضعفا فی اللفظ او وھنا فی المعنی وانما ھو قصور فی ذھن المتناول۔

ومن ثم ھمت بی الرغبۃ ان اصحاب المطالعۃ بالمراجعۃ والمشارقۃ بالمکاشفہ واعلق
علی بعض مفرداتہ شرحا وبعض جملۃ تفسیرا وشئ من اشاراتہ تعیینا واقفا عند حد الحاجۃ
مما قصدت موجزا فی البیان ما استطعت معتمدا فی ذالک علی المشہور من کتب اللغۃ
والمعروف من صحیح الاخبار ولم اتعرض لتعدیل ما روی عن الامام فی مسألۃ الامامۃ
او تجریحہ بل ترکت للمطالع الحکم فیہ بعد الالتفات الی اصول المذاھب المعلومۃ
فیہا والاخبار الماثورۃ الشاھدۃ علیہا غیر انی لم اتحاش عن تفسیر العبارۃ وتوضیح الاشارۃ

لا اريد فی وجهی هذا لاحفظ ما اذکر و ذکرما احفظ تصونا من البنیان و تحرزا من الهیدان ولو اطلب من وجه الکتاب الا ما تعلق منه بسبب المعانی العالیة فی العبارات الرفیعه فی کل ضرب من ضروب الکلام و حسبی هذه الغایة فیما ارید لنفسی و لمن یطلع علیه من اهل اللسان العربی

جب کتاب نہج البلاغہ پر میری نظر پڑی اور اسکے دیکھنے کا اتفاق ہوا حالانکہ اُسوقت بہت سے تردد ات واشغال کا مجھ پر ہجوم تھا تو اس کتاب کو میں نے ہموم میں باعث تسلی پایا اور تخلیہ و گوشہ نشینی کا ذریعہ ہوا (کہ بخوبی دیکھ سکوں) جب بعض صفحات اور بعض عبارات کو مختلف مقاموں سے دیکھا تو یہ تخیل ہوتا تھا کہ لڑائیوں کی آگ بھڑکی ہوئی ہے اور غارت کے لئے لشکر پھیلے ہوئے ہیں۔ اور یہ معلوم ہوا کہ علم بلاغت کے لئے دولت ہے (صاحب سلطنت ہے) اور فصاحت کے لئے صولت ہے اور اوہام و شک کے لئے بدخلقی ہے۔ اور یہ معلوم ہوا کہ فن خطابت (انشاء کلام۔ علم ادب) کے لشکر اور تیزئ زبان کی فوج اپنے قاعدہ و انتظام کے ساتھ جنگ و جدل میں مصروف ہیں۔ کسیکے ہاتھ میں تلوار ہے تو کسیکے ہاتھ میں گندم گوں نیزہ ہے اس لڑائی میں دیکھ رہا ہوں کہ حق غالب ہوا چاہتا ہے اور باطل کو شکست ہوئی جاتی ہے۔ شکوک و اوہام بجھتے جاتے ہیں۔ اور اس دولت کے مدبر اور اس صولت کے شجاع وہی بزرگ ہیں جو اسکے علمدار ہیں **امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام**

(قائل کلام فصاحت و بلاغت کو کبھی سلطنت سے تمثیل دیتا ہے اور اُسکا بادشاہ جناب امیر المومنین کو قرار دیتا ہے اور کبھی اس تقریر و زباں آوری کو میدان کارزار بناتا ہے اور جناب امیر کو اُسکا علمدار و سپہ سالار بناتا ہے)

بلکہ جب میں ایک عبارت سے دوسری عبارت تک پہنچتا تھا تو حسی طور پر دیکھتا تھا کہ یہاں کا عالم ہی دوسرا ہے وہاں کا جلوہ ہی نیا ہے کبھی تو مجھے ایک عالم ملتا ہے کہ ارواح عالیہ معانی کی اُسے آباد کر رہی ہیں اور وہ خوشنما لباسوں سے نفوس زاکیہ پر دورہ کرتی ہیں اور قلوب صافیہ سے مل رہی ہیں جو گویا وحی کرتی ہیں اُن کی طرف صلاح و رشاد کو اور راہ خطا و لغزش سے بچا رہی ہیں اور فضل و کمال کی راہیں بتا رہی ہیں۔

کبھی یہ نقشہ دکھائی دیتا ہے کہ درندوں کی بگڑی ہوئی چہرے اور کھلے ہوئے دانت اور روحیں مندوں

کی صورت میں ہے اور پنگال شکاری جانوروں کے آمادہ جست ہیں اور یکایک ٹوٹ کر سبکے دل اپنی خواہشوں سے پھیر دی اور بری خواہشیں دل سے نکال لیگئیں۔

اور کبھی میں یہ مشاہدہ کرتا ہوں کہ ایک عقل نورانی ہے جو کسی شئی جسمانی سے مشابہ نہیں۔ لشکر الٰہی سے جدا ہوکر روح انسانی سے متصل ہوئی اور کدورت طبعی سے اُسے پاک و صاف کر کے طرف ملکوت اعلیٰ کے لیگئی اور مشہد اجلے نور میں پہنچا دیا۔

اس عالم سے پلٹتا ہوں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ خطیب حکمت ندا کر رہا ہے اور اولیا امر امت کو راہ حق و صواب بتا رہا ہے اور مواضع شک و ارتیاب سے بچا رہا ہے اور قواعد سیاست مدن و آداب فہم و فراست کی تعلیم دے رہا ہے۔ جس سے وہ منصہ ریاست پر فائز ہوں اور بلندی تدبیر پہ پہنچکر حسن عاقبت سے کامیاب ہوں۔

وہ کتاب جس میں یہ سب اوصاف بھرے ہوئے ہیں یہی ہے جسے سید مرتضیٰ[۱] علیہ الرحمہ نے منتخب کیا ہے کلام سیدنا و مولانا امیر المومنین علی بن ابیطالب علیہ السلام سے اور اسکے متفرقات کو جمع کیا اور بنام نہج البلاغہ موسوم کیا اور جہانتک میں جانتا ہوں اس سے بہتر کوئی نام نہیں مل سکتا جو اپنے معانی کو بتا سکے اور نہ مجھمیں اسکی قدرت ہے کہ اُسکی توصیف کر سکوں زیادہ اُس سے جو خود اس نام نامی سے نمایاں ہے۔ اور نہ اس کتاب کے فضل و مرتبت کو اُس سے زیادہ بتا سکتا ہوں جسے خود جامع نے شروع کتاب میں بیان کیا ہے۔ اگر شکر منعم واجب نہ ہوتا اور محسن کا احسان ظاہر کرنا لازم نہوتا تو اسکی ضرورت نہ تھی کہ ہم اس کتاب نہج البلاغہ کے محاسن و فوائد پر کچھ تنبیہ کرتے کہ کس کس طرح اسنے فنون فصاحت کی تعلیم کی اور وجوہ بلاغت کی ہدایت کی کہ کلام کی کوئی غرض ایسی نہ رہی جو اس کتاب کی بدولت پوری نہوئی اور نہ قوت فکر کے لئے کوئی راہ باقی رہی جسکی اسنے راہ نمائی نکی ہو۔

مگر چونکہ عبارت کتاب دقیق تھی اور ہم لوگ اُس زمانہ میں ہیں کہ اہل زبان عرب سے بہت کچھ ناآشنا ہو رہے ہیں۔ لہذا بعض بعض الفاظ غریب ملتے ہیں مگر وحشت و تنافر سے معرا (ان اوصاف سے کلام کا درجہ فصاحت سے گرجاتا ہے) اور ایسی نئی ترکیبیں ملتی ہیں مگر تعقید سے مبترا۔ کہ ناظرین کتاب کو بہت

[۱] یہ اشتباہ بھی عجیب اشتباہ ہے جو بعض علماے اہل سنت کو ابتدا سے چلا آتا ہے اور تعجب ہے کہ باوصف تنبیہ کے بھی نہیں خیال کرتے کہ یہ کتاب جمع کی ہوئی سید رضی علیہ الرحمہ کی ہے نہ کہ سید مرتضیٰ رحمہ اللہ کی ۱۲ منہ

دقت ہو مطالب و مقاصد سمجھنے میں بوجہ تصور ذہن و قلت اُنس لسان عرب کے نہ بوجہ ضعف لفظ و وہن معنی

لہٰذا میں نے یہ قصد کیا کہ ایک مختصر شرح اسکی لکھوں جسکا مقصود یہ ہو کہ اصل عبارت کے مطلب و معانی کو بذریعہ لغت با حل مطلب بیان کروں مگر نہایت ایجاز و اختصار سے جسمیں میرا اعتماد مشہور کتب لغت پر ہوگا اور معروف صحاح اخبار پر اور اُن مطالب سے متعرض ہونگا جو امام علیہ السّلام سے دربارہ مسئلہ امامت منقول ہے۔ بلکہ اُسے ناظر منصف کی رائے پر محول کرتا ہوں کہ بعد تحقیق اصول مذاہب اخبار ماثورہ سے خود اُسے معلوم ہو جائیگا۔ مگر تفسیر عبارت و توضیح اشارۃ میں کسی طرح کا قصور نہ کرونگا کیونکہ مقصود میرا صرف اصل کتاب کا حل کرنا ہے تاکہ وہ باتیں محفوظ ہو جائیں جو مجھے یاد ہیں اور وہ باتیں مذکور ہوں جو محفوظ ہیں تاکہ سہو و نسیان سے امان ملے۔ اور اس کتاب سے ہمارا مطلب صرف اسیقدر ہے کہ دکھادوں معانی عالیہ کو عبارات رفیعہ میں کسطرح ادا کیا ہے اور ہر موقع و محل پر انداز کلام کیا رہا ہے اور یہی مطلب میرے لئے کافی ہے بلکہ اُن لوگوں کے لئے جو زبان عربی کی سیر کیا چاہتے ہیں۔

اس عبارت باجزالت کو دیکھئے اور سمجھئے کہ علامہ شیخ محمد عبدہ مصری اس کتاب مستطاب نہج البلاغۃ کے حق میں کیا کہہ رہے ہیں اور کن لفظوں سے اظہار عظمت کر رہے ہیں کہ کسیطرح کا انکو اسمیں شک نہیں ہے کہ یہ مجموعہ کلام جناب امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السّلام ہے اور ایسا کلام ہے جسکا مماثل ہونا محال ہے چنانچہ آخر میں خود علامہ محمد عبدہ پھر تصریح کرتے ہیں لکھتے ہیں ولیس فی اھل ھذہ اللغۃ الا قائل بان کلام الامام علی ابن ابیطالب ھو اشرف الکلام وابلغہ بعد کلام اللہ تعالیٰ و کلام نبیہ واغزرہ مادۃً وارفعہ اسلوبا۔ واجمعہ لجلائل المعانی۔ واحدر بالطالبین لنفائس اللغۃ و الطامعین فی التدرج لمراقیھا ان یجعلوا ھذا الکتاب اھم محفوظھم و افضل ماثورھم مع تفھم معانیہ فی الاغراض التی جاءت لاجلھا وتامل الفاظہ فی المعانی التی صیغت للدلالۃ علیھا لیصیبوا بذلک افضل غایۃ و ینتھوا الی خیر نھایۃ مطبوعہ مطبع ادبیہ بیروت ۱۸۸۵ء

جس سے معلوم ہوا کہ تمامی اہل فن کا اسپر اتفاق ہے کہ کلام جناب امیر المومنین علی ابن ابیطالب اشرف و ابلغ تمامی کلام ہے بعد کلام خدا و رسول کے اور غزارت مادہ و رفع اسلوب میں سب سے بڑھا ہوا ہے اور جمع جلائل معانی میں کوئی اسکا ہمسر نہیں طالبین کو مناسب ہے کہ اس کلام کو اہم محفوظ و افضل منقولات

سمجھیں اور اسکے مطالب و مقاصد کو بغور دیکھیں اور سمجھیں تاکہ بہترین غایات و افضل نہایات پر فائز ہوں۔

پس جس کتاب مستطاب کی یہ عظمت و جلالت ہو کہ از سلف تا خلف سب اسکے معترف ہیں کہ یہ کلام فوق کلام انسانی ہے حیف کہ ہم اُس سے بے خبر رہیں بلکہ اپنی بے خبری و گمراہی سے اسکا دعوے کریں کہ یہ حضرت کا کلام نہیں۔

علامہ شیخ محمد عبدہ مصر کے افاضل علماء سے ہیں بہت سے تصانیف اُنکے دائر و سائر ہیں اور ہند کے لوگ بھی اُن کی عظمت و جلالت کے معترف اور اُنکے افادات جدیدہ سے مستفیض ہو رہے ہیں۔ اُن کی تنہا رائے کافی تھی چہ جائیکہ ہمنے تو بہت سے اکابر علماء متقدمین کے اقوال بھی جمع کر دئے اور سبکا اقرار دکھا دیا کہ وہ کل حضرات اس کتاب کو مجموعۂ کلام جناب امیر المومنین علیہ السلام نہایت صدق دل سے مان رہے ہیں فمن شاء فلیومن و من شاء فلیکفر۔

احوال جناب سید رضی علیہ الرحمہ جامع کتاب نہج البلاغہ

چونکہ بعض اہل سنت نے اپنے کمال عقل سے اسکا بھی دعوے کیا ہے کہ نہج البلاغہ کے خطبے وغیرہ موضوعات سید رضی علیہ الرحمہ سے ہیں جسکا بطلان بھی بذیل تصریحات علماء اہل سنت مذکور ہوا۔ لہذا کچھ حالات جناب سید رضی علیہ الرحمہ کے اجمالاً بیان کئے جاتے ہیں تاکہ ان کے جلالت قدر و عظمت مرتبہ سے عوام و خواص مطلع ہوں اور سمجھیں کہ ایسے شخص کی نسبت اسکا احتمال کرنا منافی شان ایمان ہے لقب اِنکا سید رضی اور ذو الحسبین ہے کنیت ابو الحسن نام محمد۔

نسب انکا محمد بن ابی احمد حسین بن موسےٰ بن محمد بن موسےٰ بن ابراہیم بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ہے۔ اسلئے سید رضی علیہ الرحمہ جناب امام موسےٰ کاظم علیہ السلام سے ساتویں پشت میں ہوئے۔

جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے حالات کا بیان اس مختصر میں ممکن نہیں ہے تمامی شیعہ جانتے ہیں کہ وہ انکے ساتویں امام ہیں جو بنص خدا و رسول بعد امام جعفر صادق علیہ السلام حجت خدا و خلیفہ رسول ہیں ولادت آپکی بمقام ابواء جو درمیان مکہ و مدینہ ایک قریہ ہے ۱۲۸ھ میں آپ پیدا ہوئے اور ۱۸۳ھ میں ۵۵ سال کی عمر میں سندی بن شاہک کے قید میں بمقام بغداد زہر دغا سے رحلت فرمائی

چونکہ آپ نہایت ہی متحمل تھے اور حد درجہ حلیم تھے اسلئے لقب آپکا کاظم مشہور ہوا آپ اس درجہ سخی تھے کہ اُس زمانہ میں صرہ موسیٰ مشہور تھا اور لوگ کہتے تھے عجبا لمن جاءتہ صرۃ موسیٰ فشکا القلۃ۔ یعنی جسکو امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام کا صرہ ملجاے اور پھر وہ قلت معاش کی شکایت کرے تو مقام تعجب ہے۔

اس مثل کے شہرت کیوجہ یہ ہے کہ آپ جب بوقت شب دولتسرا سے باہر تشریف لیجاتے تھے اپنے ہمراہ درہم و دینار کے صرے رکھتے تھے اور ارباب حاجت کو مرحمت فرماتے۔

پہلے آپ کو خلیفہ موسے ہادی پدر ہارون رشید نے قید کیا شب کو خلیفہ نے خواب میں دیکھا کہ جناب امیر المومنین علیہ السّلام فرماتے ہیں ھل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض وتقطعوا ارحامکم اس خواب سے وہ خوف زدہ ہوا اور امام کو قید سے رہا کیا پھر دوبارہ ایذا پہنچانا چاہا مگر قبل اسکے خود واصل جہنم ہوا۔ بعدہ جب ہارون رشید خلیفہ ہوا تو اُسنے ازراہ مکاری پہلے بہت کچھ حضرت کی تعظیم و تکریم کی مگر آخر قید کیا اور فضل بن یحیےٰ برمکی کے حوالہ کیا چندروز بعد سندی بن شاہک کے حوالہ کیا اور خود روانہ ملک شام ہوا اور یحیےٰ بن خالد نے سندی کو یہ حکم دیا کہ حضرت کو قتل کر ڈالے چنانچہ ایک قول کے موافق حضرت کو زہر دیا گیا اور بقولے ایک بساط میں حضرت کو اسطرح سے دبایا کہ روح اقدس نے مفارقت کی۔ اسکے بعد جب غسل و کفن کی تیاری ہونے لگی تو ایک محضر تیار کیا گیا اس مضمون کا کہ حضرت بقضاے الٰہی فوت ہوئے تا کہ خلیفہ یا ارکان خلیفہ پر کوئی اسکی تہمت نہ دے کہ حضرت کو قتل کیا۔ آپ کی نعش اطہر تین روز تک شاہراہ پر رکھی رہی کہ آیندہ و روندہ دیکھیں اور اس محضر پر دستخط کریں۔ بعدہ مقابر قریش میں آپ مدفون ہوئے۔ دیکھو عمدۃ الطالب صفحہ ۱۸۴

لیکن شیخ مفید رحمۃ اللہ نے ارشاد میں حضرت کے حبس اور شہادت کے متعلق جو روایت لکھی ہے وہ اس روایت عمدۃ الطالب کے زیادہ تر قابل اعتماد ہے اور اُسی سے خلیفہ وقت کا اہتمام تمام حضرت کی شہادت کے متعلق اور اکثر ارکان دولت کا اس امر عظیم سے باز رہنا اور آخر میں یحییٰ بن خالد برمکی کا اس امر کے لئے مستعد ہونا بتفصیل ظاہر ہوتا ہے۔ بہرحال چونکہ حضرت کے احوال غرائب اشتمال کا ذکر اس مختصر میں ممکن نہیں اور تمامی اہل اسلام پر حضرت کے فضائل و مناقب مثل آفتاب نمایاں ہیں اسلئے زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں آپکا مزار انور جسمیں آپکے پوتے حضرت امام محمد تقی علیہ السّلام کا بھی مزار ہے

بلقب کاظمین مشہور ہے جہاں تمامی شیعہ بغرض زیارت جاتے ہیں اور امام ابو داؤد اپنے سنن میں لکھتے ہیں جو اہل سنت کے صحاح ستہ میں داخل ہے کہ حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کی قبر استجابت دعا میں تریاق اعظم ہے۔ علامہ قرمانی اخبار الدول میں لکھتے ہیں وھو المعروف عند اھل العراق بباب الحوائج لانہ ما خاب المتوسل بہ فی قضاء الحاجۃ صفحہ ۱۱۲

ابراھیم بن امام موسیٰ الکاظم علیہ السلام لقب انکا مرتضٰے ہے۔ اور انہیں ابراہیم کے سبب سے جناب امام موسیٰ علیہ السلام کی ایک کنیت ابو ابراہیم بھی ہے۔ حضرت کے دو فرزندوں کا نام ابراہیم ہے ایک ابراہیم اکبر دوسرے ابراہیم اصغر۔ ابراہیم اکبر کی اولاد باقی نہیں رہی۔ انہیں ابراہیم اصغر کو ابراہیم مرتضٰے کہتے ہیں جنکی نسل سے جناب سید رضی علیہ الرحمہ تھے۔

ابراہیم مرتضٰے نہایت جلیل القدر تھے ۲۰۰ھ میں انہوں نے بھی ظہور کیا۔ قیام انکا مکہ معظمہ میں تھا کہ انکو ابو السرایا کے قتل کی خبر پہونچی کہ بمقام نہرواں میں وہ قتل ہوا۔ یہ خبر سنکر انہوں نے قیام مکہ ترک کیا اور ملک یمن کیطرف روانہ ہوئے۔ وہاں اسحٰق بن موسےٰ عباسی عامل تھا مامون کا جب اُسے ابراہیم مرتضیٰ کے آمد کی خبر معلوم ہوئی کہ وہ قریب صنعا پہونچ گئے تو اسحٰق مذکور نے یمن چھوڑ دیا اور مکہ معظمہ کیطرف فرار کیا ابراھیم کو بے جنگ و جدال یمن پر قبضہ حاصل ہو گیا ہ۔۱ جلد ۶ تاریخ کامل جب موسم حج آیا تو ابراہیم مرتضٰے نے ایک شخص کو جو خاندان حضرت عقیل سے تھے امیر حاج مقرر کر کے روانہ کیا۔ انسے اور جلودی سے جو ابو اسحٰق معتصم کے لشکر کا ایک افسر تھا بمقام بستان ابن عامر سے لڑائی بھی ہوئی جس میں عقیلی نے شکست کھائی اور ہمراہی انکے اسیر ہوئے صفحہ ۱۰۷

ان حالات سے ذاتی وجاہت اور عزت و اقتدار کا انکے بخوبی پتہ چل سکتا ہے کہ یہ اپنے زمانہ میں اور اپنے خاندان میں کن نظروں سے دیکھے جاتے۔ چونکہ اکثر مورخین سادات کے بارے میں اخفاء حالات سے کام لیتے ہیں اور بلحاظ محبت خلفائے امویہ و عباسیہ انکے حالات کی تشریح پسند نہیں کرتے اسیوجہ سے موسیٰ بن ابراھیم کے حالات ہمسے مخفی ہیں بجز اسکے کہ کنیت انکی ابو سُبحہ ہے اور انکی نسل آٹھ آدمیوں سے چلی۔ عبید اللہ۔ عیسٰے۔ علی۔ جعفر۔ ان چاروں کی اولاد تو بہت ہی کم ہے۔ البتہ محمد اعرج۔ احمد اکبر۔ ابراہیم عسکری حسین قطعی کی اولاد کچھ زیادہ ہے۔ محمد اعرج کی نسل صرف انکے اکلوتے بیٹے موسیٰ اصغر سے قائم رہی جنکو موسیٰ ابرش بھی کہتے ہیں۔ موسیٰ ابرش کے تین بیٹے ہوئے ابو طالب محسن۔ ابو احمد حسین۔

ابوعبداللہ احمد ابو احمد حسین - یہی والد ہیں جناب سید رضی علیہ الرحمہ کے نہایت بزرگ اور جلیل المرتبہ تھے - لقب آپکا طاہر ذو المناقب ہے - نقابت نقباء طالبین انسے متعلق تھی - بہاء الدولہ نے قاضی القضاۃ بھی مقرر کیا تھا علاوہ منصب نقابت کے مگر خلیفہ قادر باللہ نے جو اس زمانہ کا خلیفہ تھا اس عہدہ پر نہ رہنے دیا - چند مرتبہ امیر حج بھی مقرر ہوئے ۹۰ سال سے زیادہ عمر پاکر سنہ ۴۰۰ ہجری میں رہ گرائے فردوس بریں ہوئے -

انکے تاریخی حالات بھی نہایت ہی عجیب و غریب ہیں زمانہ نے خوب خوب سلوک کیا چند مرتبہ یہ عہدہ نقابت سے موقوف ہوئے اور پھر بحال ہوئے کیونکہ وہ زمانہ خلافت بنی العباس کا بالکل آخر شاہان دہلی کا سا تھا کہ خلافت صرف برائے نام رہ گئی تھی - آل بویہ کا تمام ملک پر قبضہ تھا اسی سبب سے جب خلیفہ کا داؤں چل جاتا تو یہ معزول ہو جاتے اور جب آل بویہ کا کوئی ممبر آجاتا خلیفہ کو آنکھ دکھاتا پھر انتظام درست ہو جاتا کیونکہ خلیفہ اور انکے ارکان سب کے سب سنی المذہب تھے وہ کسی باوجاہت شخص کا کسی اعلے عہدہ پر رہنا پسند نہ کرتے - اور آل بویہ سب کے سب شیعہ مذہب تھے اور انھیں کا ہر طرف عمل دخل تھا لہذا وہ خاص دار الخلافہ کے معزز عہدوں پر بھی ایسے باوجاہت اشخاص کو مقرر کرتے جو حسب و نسب علم و فضل و کمال و سیاست مدن میں بھی سر برآوردہ ہوتا - اسی اختلاف سے اکثر سید ابو احمد حسین کو زحمتیں بھی پہونچتیں مگر اکثر کامیاب رہا کرتے - چنانچہ عمدۃ الطالب میں شریف ابو الوفا سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ جب والد میرے ضیق معاش سے تنگ آئے تو بغرض تجارت باہر نکلے اور وطن چھوڑ دیا - راہ میں شریف ابو احمد نقیب الطالبین سے ملاقات ہوئی انھوں نے میرے والد کا حال پوچھا اور نام و نسب دریافت کیا جب حال اپنا میرے والد بیان کر چکے تو انھوں نے جواب دیا یکفیک من المتجر لقائی یعنی تمکو اس تجارت کی عوض یہی کافی ہے کہ ہمسے ملاقات ہو گئی (صفحہ ۱۹۱)

اور کافی ہے انکے فضل و شرف کیلئے کہ جب نوے برس کے سن میں انھوں نے وفات کی اور چند روز اپنے گھر میں مدفون رہے - تو بعد کو انکی نعش مبارک اُس زمانہ میں کربلائے معلی کو نقل کی گئی اور بہت قریب قبر مطہر جناب امام حسین علیہ السلام مدفون ہوئے - انکی وفات کے بعد شعراء زمانہ نے بہت کثرت سے مرثئے نظم کئے لیکن جیسا قصیدہ فائیہ انکے مرثیہ میں علامہ ابو العلاء المعری کے

المتوفی سنہ ۴۴۹ھ نے نظم کیا ہے اُسکا مثل و نظیر مشکل ہے یہ قصیدہ ابو العلاء معری کے اُس دیوان میں جسکا نام سقط الزند ہے بالتمام موجود ہے اور یہ دیوان اب چھپ بھی گیا ہے ہر شخص دیکھ سکتا ہے مگر ہم اس مقام پر بعض اشعار اُسکے نقل کرتے ہیں اور اُن اشعار کی شرح میں جو علماے اہل سنت نے لکھا ہے اُسکو بھی لکھتے ہیں تاکہ فی الجملہ جلالت شان اس سید معظم کی واضح ہو ابو العلاء معری قصیدہ مذکورہ میں کہتے ہیں طار النواعب یوم فاد نواعیا ؛ فندبته لموافق ومنافق صاحب تنویر اسکی شرح میں لکھتے ہیں النواعب الغربان یقال نعب الغراب ینعب نعبا اذا صاح - وفاد یفید ویفود اذا مات - ای لما مات المرتی نعته الغربان ینعبها وبکت علیه وندبته لکل موافق له فی دینه ومناف ینافیه ای یخالفه فی دینه یعنی نعته الاعزة للناس کافة مسلمهم وکافرهم لانهم وان اختلفوا فی الملل مجمعون علی فضله۔

ترجمہ شعر اڑے غراب بروز وفات انکی خبر مرگ دیتے ہوئے۔ پس ندبہ کیا ہر موافق کے لئے اور ہر مخالف کے لئے۔

اسی کی شرح میں لکھتے ہیں کہ موافق سے مراد دینی موافقت ہے اور مخالف سے مقصود دینی مخالفت ہے یعنی نوحہ اور خبر مرگ پہنچانا ہر مسلم و کافر کیلئے تھا کیونکہ اگرچہ مذاہب میں لوگوں کے اختلاف تھا مگر سبکا اجماع تھا اُنکے فضل و شرف پر

پھر کہتے ہیں نبذت مفاتیح الجنان وانما ؛ رضوان بین یدیه للاتحاف - صاحب تنویر اسکی شرح میں لکھتے ہیں ای القیت الیه مفاتیح الجنان محکما فی خزاینها وخازن الجنة رضوان کالمطیع بین یدیه یتحفه بما یریده من طرف الجنه **ترجمہ** ڈالدی گئیں کنجیاں جنت کی اور نہیں ہے رضوان خازن جنت سامنے اُنکے مگر اس غرض سے کہ تحفہ پیش کرے

ملخص عبارت شرح جنت کی کنجیاں اُنکو دیدی گئیں اور وہ خزانہاے جنت کے حاکم کردئے گئے اور خازن جنت رضوان اُنکے سامنے مثل مطیع کے ہے کہ عمدہ عمدہ چیزیں جنت کی اُنکو تحفہ دیتا ہے

پھر کہتے ہیں تکبیرتان حیال قبرك للفتی ؛ محسوبتان بعمرة وطواف - صاحب تنویر اسکی شرح میں لکھتے ہیں - یصفه بالفضل والدین وان لزیارة قبره من الفضیلة ما للعمرة والطواف بالبیت الحرام - یعنی دو مرتبہ اللہ اکبر کہنا انکی قبر کے سامنے عمرہ و طواف کے برابر ہے۔

شرح میں لکھتے ہیں کہ اُنکی فضیلت اور اُنکا دین اس درجہ پر پہنچا ہوا ہے کہ اُنکی زیارت قبر کو وہی فضیلت حاصل ہے جو عمرہ وطواف بیت الحرام کی فضیلت ہے سبحان اللہ کیا جلالت ہے!!

پھر کہتے ہیں ابقیت فینا کوکبین سناھما ۔ فی الصبح والظلماء لیس بخاف ۔

قال صدر الافاضل فی ضرام السقط اعنی بالکوکبین الرضی وھو من اھل الادب له شعر فصیح واخاه المرتضی الموسوی وھو امام الشیعه عارف بالکلام فی الاصول و له ایضا شعر وھما ابنا الشریف الطاھر ذی المنقبتین ابی احمد الحسین العلوی وھو المرثی بھذه الفائیة ترجمہ شعر چھوڑ گئے تم ہملوگوں میں دو ستاروں کو جنکی رفعت وشہرت نہ سفیدی صبح میں مخفی ہے نہ ظلمت شب میں صدر الافاضل اسکی شرح میں لکھتے ہیں کہ مراد اس سے ایک سید رضی علیہ الرحمہ ہیں جو بڑے ادیب تھے اور بڑے شاعر اور دوسرے بھائی اُنکے سید مرتضی علیہ الرحمہ ہیں جو شیعوں کے عالم ہیں اور علم کلام واصول سے بخوبی واقف ہیں اور وہ بھی صاحب شعر ہیں دونو فرزند ہیں شریف طاہر ذی المنقبتین ابی احمد حسین علوی کے جنکے مرثیہ میں یہ قصیدہ فائیہ کہا گیا

اب سید مرتضی وسید رضی علیہما الرحمہ کے حالات ملاحظہ ہوں کہ یہ دونو بھائی فرزند ہیں نقیب النقبا سید ابو احمد حسین موسوی کے جنکے حالات لجا لاأ مذکور ہوئے اور والدہ[٥١] ماجدہ اُنکی فاطمہ بنت ابی محمد الحسن الناصر الصغیر بن ابی الحسن احمد بن ابی محمد الناصر الکبیر الاطروش بن علی بن الحسن بن علی الاصغر بن عمر الاشرف بن علی بن الحسین علیہم السلام ہیں سید مرتضی کی ولادت رجب ۳۵۵ھ میں ہے اور سید رضی علیہ الرحمہ کی ولادت ۳۵۹ھ میں ہے چار برس کا تفاوت ہے تعلیم ابتدائی تو علی[٥٢] بن نباتہ سے متعلق تھی جو مشہور خطیب تھے مگر بعد کو ان دونوں بزرگزادوں کی تعلیم جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ سے متعلق ہوئی جو اعلم علماء شیعہ سے ہیں۔

اس تعلق تعلیم کا بھی عجیب واقعہ ہے کیونکہ جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ نے ایک شب خواب دیکھا کہ ہم مسجد کرخ (محلہ بغداد) میں مقیم ہیں کہ جناب سیدہ فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا تشریف لائیں اور آپ کے ساتھ دونو فرزند آپکے امام حسن اور امام حسین علیہم السلام بھی تشریف لاے۔

---

٥١ دیکھو عمدۃ المطالب ۱۲ ٥٢ د لؤلؤۃ البحرین ۱۲

شیخ مفید کہتے ہیں کہ جناب سیدہ نے انسے فرمایا ای شیخ ان دونوں کو فقہ کی تعلیم دو۔ اس خواب سے شیخ مفید علیہ الرحمہ نہایت متعجب بیدار ہوے۔ جب صبح ہوئی اور کچھ آفتاب بلند ہوا تو کیا دیکھتے ہیں کہ جناب فاطمہ بنت ناصر مع اپنے دونو صاحبزادوں سید مرتضیٰ و سید رضی علیہ الرحمہ کے تشریف لائیں اور لونڈیاں گرداگرد انکے حلقہ کئے ہوئے ہیں جب داخل مسجد ہوئیں اور شیخ مفید کی انپر نظر پڑی بغرض تعظیم اُٹھ کھڑے ہوئے اور سلام کیا۔ بعدہ فاطمہ بنت الناصر نے فرمایا ای شیخ میں اپنے دونو لڑکوں کو اس غرض سے آپکے پاس لائی ہوں کہ انکو فقہ کی تعلیم دو۔ یہ جملہ سنکر شیخ مفید رحمہ اللہ رونے لگے اور سارا حال خواب کا بیان کیا بعدہ دونو صاحبزادونکی تعلیم کیطرف متوجہ ہوے اور وہ کمال انکو حاصل ہوا جو قیامت تک مشہور رہیگا۔

یہ واقعہ اگرچہ اکثر کتب رجال شیعہ میں مذکور ہے کہ ہر شخص نے ان لوگوں کے حال میں اس واقعہ کو لکھا ہے۔ مگر ہم اس واقعہ حقہ کی تصدیق خود علمائے اہل سنۃ کی کتابوں سے بھی لکھتے ہیں تاکہ حقیت اس واقعہ کی ظاہر ہو۔ علامہ ابن حجر عسقلانی لسان المیزان میں لکھتے ہیں وکان مولدہ فی رجب ۳۵۵ھ قال ابن ابی طی ھو اول من جعل دارہ دار العلم وقررھا للمناظرۃ ویقال انہ افتی ولم یبلغ العشرین وکان قد حصل علی ریاسۃ الدنیا والعلم مع العمل الکثیر فی الستر والمواظبۃ علی تلاوۃ القرآن وقیام اللیل وافادۃ العلم وکان لا یوثر علی العلم شیئا مع البلاغۃ وفصاحۃ اللہجۃ وکان اخذ العلوم عن الشیخ المفید وزعم انہ رای فاطمۃ الزہراء لیلۃ ناولتہ صبیین فقالت خذ ابنی ھذین فعلمھما فلما استیقظ وافاہ الشریف ابواحمد ومعہ ولداہ الرضی والمرتضی فقال لہ خذھما الیک وعلمھما فبکی و ذکر القصۃ وذکر ابوجعفر الطوسی لہ من التصانیف الشافی فی الامامۃ خمس مجلدات الملخص والموجز فی الاصول وتنزیہ الانبیاء والدرر والغرر ومسائل الخلاف والانتصار لما انفردت بہ الامامیۃ وکتاب المسائل کبیر جدا وکتاب الرد علی ابن جنی فی شرح دیوان المتنبی وسرد اشیاء کثیرۃ یقال ان الشیخ ابا اسحق الشیرازی کان یصفہ بالفضل حتی نقل عنہ انہ قال کان الشریف المرتضی ثابت الجاش ینطق بلسان المعرفۃ ویورد الکلمۃ المسددۃ فتمرق مروق السہم فی الرمیۃ ما اصاب اصمی وما اخطا اشوی

اذا شرع الناس الکلام رایته له جانب منه وللناس جانب وذکر بعض الامامیة ان المرتضی اول من بسط کلام الامامیة فی الفقه وناظر الخصوم واستخرج الغوامض وقید المسائل وهو القائل فی ذلک ؎ کان لولائی ما نصا مکرع + الفقیه سحیق المدی بحر الکلام + ومعان شحطن لطفا عن الا + فهام قربتها من الافهام + ودقیق الحقیقة علیل + وحلال خلصته من الحرام + وحکی ابن برهان النحوی انه دخل علیه وهو مضطجع ووجهه الی الحائط وهو یخاطب نفسه ویقول ابوبکر وعمر ولیا فعدلا و استرحما فرحما اما انا اقول ارتدا۔

اس عبارت سے اُس واقعہ خواب کی بھی بخوبی تصدیق ہوئی جو سابقاً مذکور ہوا فرق اسقدر ہے کہ وہاں جناب سید مرتضےٰ و سید رضی کی والدہ فاطمہ بنت الناصر کا لانا بعد خواب کے مذکور ہے اور یہاں خود اُنکے والد ماجد ابو احمد حسین کا جس میں چنداں تفاوت نہیں کیونکہ ممکن ہے پہلے وہ تشریف لائیں ہوں اور بعدہ اُنکے والد ماجد بھی آئے ہوں۔

بہرحال خود بھی خواب جلالت قدر و عظمت شان جناب سید مرتضےٰ و سید رضی علیہم الرحمہ کے لئے کافی ہے چہ جائیکہ ابن حجر عسقلانی یہ حالات لکھیں کہ سید مرتضےٰ کی ولادت ۳۵۵ھ کو ہے ابن ابی طی کا بیان ہے کہ سید مرتضیٰ اول شخص ہیں جنہوں نے اپنے گھر کو دار العلم بنایا اور مناظرہ کے لئے مقرر کیا۔ اور ۲۰ برس کے بھی نہ ہوئے تھے کہ صاحب فتوے ہوے۔ ریاست دنیا اور علم کے ساتھ عمل کثیر اُنکا بھی مخفی طور پر ایسا بڑھا ہوا تھا کہ تلاوۃ قرآن قیام شب افادہ علم کے سوا کوئی شغل نہ تھا۔ بلکہ علمی امور کے مقابلہ میں کوئی چیز اُنکو پسند نہ تھی۔ بلاغت و فصاحت اُنکے علم کے ساتھ ضم تھی شیخ مفید علیہ الرحمہ سے تحصیل علم کیا اور شیخ مفید کا گمان یہ ہے کہ اُنہوں نے خواب میں دیکھا جناب سیدہؑ کو کہ آنحضرت نے دو لڑکے بغرض تعلیم اُنکے حوالہ کئے اور ابو جعفر طوسی نے انکی فہرست تصانیف میں کہا ہے۔ کتاب الشافی فی الامامہ ۵ جلد ملخص۔ موجز فی الاصول۔ تنزیہ الانبیا۔ درر و غرر۔ مسائل خلاف۔ انتصار۔ کتاب المسائل۔ جو ایک بہت بڑی کتاب ہے۔ کتاب الرد علی ابن جنی فی شرح دیوان المتنبی وغیرہ وغیرہ شیخ ابو اسحٰق شیرازی بھی سید مرتضےٰ کے فضل و کمال کے معترف تھے چنانچہ اُنکا مقولہ ہے کہ سید مرتضیٰ ثابت الجاش (قوی دل) تھے اور زبان معرفت سے

کلام کرتے اُنکا کلام ایسا چست و درست ہوتا تھا جیسے کہ تیر نشانہ پر پڑے جب کوئی انسے مناظرہ کرتا تو سب ایک طرف ہوتے اور وہ تنہا ایک طرف کہ کوئی اُنکا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا اور بعض امامیہ کا بیان ہے کہ سید مرتضےٰ علیہ الرحمہ اول شخص ہیں جنہوں نے فقہ شیعہ میں کلام کو بسط دیا اور مخالفین سے مناظرہ کیا اور غوامض و دقائق کو ضبط کیا جیسا کہ وہ خود بھی اپنے اشعار میں اسکے طرف اشعار کرتے ہیں۔

جو حالات کہ علامہ ابن حجر نے اپنے قلم سے لکھے وہی اظہار فضائل جناب سید مرتضےٰ کے لئے کافی ہیں چہ جائیکہ اُنہوں نے اپنے مذہب کے عالم اجل ابو اسحٰق شیرازی سے ایسے اقوال مدح و ثنا نقل کئے جس سے عظمت سید کا پایہ اور بھی رفیع ہوا۔ کیونکہ یہ اہل سنت کے شیخ الاسلام ہیں اور انکے فضائل و مناقب کا احاطہ دشوار ہے علامہ ذہبی سیر النبلا میں ناقل ہیں قال ابو بکر الشاشی ابو اسحٰق حجۃ اللہ علی ائمۃ العصر وقال الموفق الحنفی ابو اسحٰق امیر المومنین فی الفقہا پھر ایسے شخص کی مدح و ثنا بحق جناب سید مرتضےٰ کیسی مستند ہوگی۔

یہاں چونکہ جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ کا ذکر خیر بھی آگیا کہ اُنہوں نے سید مرتضیٰ و سید رضی کی تعلیم کے لئے جناب سیّدہ کو خواب میں دیکھا اور سیدین نے جو کچھ حاصل کیا وہ جناب شیخ مفید سے لہذا اجمالاً اُنکا ذکر خیر بھی مناسب ہے کیونکہ تعلیم کا اثر بھی تولیدی تاثیر سے کم نہیں علامہ ذہبی کتاب العبر میں بذیل وقائع ۴۱۳ھ لکھتے ہیں والشیخ المفید ابو عبد اللہ محمد بن النعمان البغدادی الکرخی ویعرف ایضا بابن المعلم عالم الشیعۃ و امام الرافضہ وصاحب التصانیف الکثیرۃ قال ابن ابی طی فی تاریخ الامامیۃ ھو شیخ مشایخ الطائفہ ولسان الامامیۃ ورئیس الکلام والفقہ والجدل کان یناظر اھل کل عقیدۃ مع الجلالۃ العظیمۃ فی الدولۃ البویھیۃ قال و کان کثیر الصدقات عظیم الخشوع کثیر الصلاۃ والصوم خشن اللباس وقال غیرہ کان عضد الدولۃ ربما زار الشیخ المفید وکان شیخا ربعۃ نحیفا اسمر عاش ستا وسبعین سنۃ ولہ اکثر من مائتی مصنف کانت جنازتہ مشھودۃ وشیعہ ثمانون الفا من الرافضۃ والشیعۃ واراح اللہ منہ وکان موتہ فی رمضان اور علامہ ابن حجر عسقلانی لسان المیزان میں رقمطراز ہیں محمد بن محمد بن النعمان الشیخ المفید عالم الرافضۃ ابو عبد اللہ بن المعلم

صاحب التصانيف البدعية وهي مائتا تصنيف طعن فيها على السلف له صولة (عظيمة)
بسبب عضد الدولة شيعه ثمانون الف رافضي مات سنة ۴۱۳ انتهى قال الخطيب صنف
كتبا كثيرة في ضلالهم والذب عن اعتقادهم والطعن على الصحابة والتابعين وائمة
المجتهدين وهلك بها خلق الى ان اراح الله منه في شهر رمضان قلت وكان
كثير التقشف والتخشع والاكباب على العلم تخرج به جماعة وبرع في فقه الامامية حتى
كان يقال له على كل امامي منة وكان ابوه مقيما بواسط وولد المفيد بها وقيل بعكبرا
ويقال ان عضد الدولة كان يزوره في داره ويعوده اذا مرض وقال الشريف ابو يعلى
الجعفري وكان تزوج بنت المفيد ما كان المفيد ينام من الليل الا هجعة ثم يقوم يصلي
او يطالع او يدرس او يتلو القرآن - خلاصہ ان عبارتوں کا یہ ہے کہ شیخ مفید کا نام محمد بن محمد
بن نعمان ہے لقب شیخ مفید - رافضیوں کے (شیعہ) عالم ہیں - بلقب ابن المعلم مشہور ہیں صاحب تصانیف
کثیرہ ہیں دو سو جلد انکے مصنفات سے ہیں جنمیں تمام تر طعن کیا ہے اسلاف اہل سنت پر انکا حملہ نہایت سخت ہوتا تھا
بسبب عضد الدولہ کے سنہ ۴۱۳ میں وفات کی - ۸۰ ہزار رافضیوں نے انکے جنازہ کی مشایعت کی - یہ کلام ذہبی ہے - اور
خطیب بغدادی کا بیان ہے کہ بہت سی کتابیں شیعوں کے گمراہ (ہدایت) کرنے کے لئے تصنیف کیں اور ان کے
اعتقادات پر جو اعتراض تھا اُسکو دفع کیا اور صحابہ و تابعین و ائمہ مجتہدین پر طعن کیا جس سے خلق کثیر
ہلاک ہوئی (یعنی ہدایت پائی) یہانتک کہ خدا نے راحت دی سنیوں کو بسبب انکی وفات کے ماہ رمضان ۴۱۳ھ
میں ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ نہایت ہی زاہد اور خاضع و خاشع اور ہمہ وقت علوم
میں منہمک رہتے بہت سے علما انکی بدولت درجہ کمال پر فائز ہوئے یہانتک کہا جاتا ہے انکا احسان ہر عالم امامی
شیعہ پر ہے انکے والد واسط میں قیام پذیر تھے کہ انکی ولادت ہوئی اور بعض لوگوں کا بیان ہے کہ مقام عکبرا میں
قیام تھا لوگوں کا بیان ہے کہ عضد الدولہ (بادشاہ آل بویہ) اکثر انکی زیارت کے لئے خود انکے دولتخانہ
پر آتا اور عیادت کرتا شریف ابو یعلی داماد شیخ مفید کا بیان ہے کہ شیخ مفید شب کو بہت ہی کم سوتے
تھے بیدار ہو کر یا نماز پڑھا کرتے یا کتب بینی کرتے یا درس دیتے یا تلاوت قرآن کرتے ان حالات سے
ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ کس درجہ کے عالم ربانی تھے کہ بجز عبادت و تلاوت قرآن
و درس و تدریس کوئی شغل نہ تھا یہانتک کہ علماء اہل سنت انکے وفات کو اپنے لئے موجب راحت

سمجھے ہیں جس سے معلوم ہوا انکا وجود ذی جود انپر عذاب الٰہی تھا جس سے بعد وفات انکی گلو خلاصی ہوئی۔ شیخ مفید علیہ الرحمہ کا لقب مفید عطا یا ے جناب حضرت حجت عجل اللہ ظہورہ سے ہے جیسا کہ ابن شہر آشوب نے معالم میں تحریر فرمایا ہے لیکن اہل سنت بھی اسکے معترف و مقر ہوئے ہیں اور انکو مفید سے ملقب کیا ہے بعض لوگوں نے اسکی نسبت شیخ علی بن عیسےٰ رمانی کیطرف دی ہے جو اس زمانہ میں معتزلہ کے امام تھے اور بعض لوگوں نے شیخ عبد الجبار معتزلی کیطرف جسکی کتاب مغنی مشہور ہے اور اسیکا جواب سید مرتضیٰ علیہ الرحمہ نے شافی میں دیا ہے۔ خلاصہ اس حکایت کا یہ ہے کہ شیخ مفید کا عنفوان شباب تھا فارغ التحصیل ہو چکے تھے کچھ کچھ انکی شہرت پھیل رہی تھی کہ قاضی عبد الجبار معتزلی کی مجلس درس میں حاضر ہو کر صف نعل میں بیٹھ گئے علماء فریقین کا مجمع تھا بڑے بڑے علماء زانوے ادب تہ کیے بیٹھے تھے۔ شیخ مفید نے اجازت چاہی کہ اگر حکم ہو تو ایک مسئلہ پوچھیں ان سب علماء کے سامنے یا تخلیہ میں۔ قاضی عبد الجبار کو اپنے علم کا غرہ تھا کیا جانتا تھا کہ بلائے ناگہانی کا نزول ہے۔ ہنسکر کہا جو چاہو سوال کرو۔

شیخ مفید۔ حدیث غدیر من کنت مولاہ فعلی مولاہ کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے حدیث صحیح ہے یا کیا؟ **قاضی**۔ بیشک حدیث صحیح ہے۔ **شیخ مفید**۔ مولے کے معنی کیا ہیں۔ **جواب** وہی اولے بالتصرف۔ **شیخ مفید**۔ پھر اس اختلاف کی کیا وجہ جو شیعہ و سنی میں قائم ہے (کیونکہ جب نص صریح موجود پھر اسکی مخالفت کیونکر جائز ہے) **عبد الجبار**۔ برادر من۔ حدیث غدیر روایت ہے جو سنی جاتی ہے اور خلافت ابوبکر درایت ہے (واقعہ چشم دید) تو درایت کے مقابلہ میں کوئی عاقل روایت کی کیا وقعت رکھتا ہے۔ شیخ مفید یہ جواب سنکر خاموش ہو رہے اور دوسرے مسائل میں کلام کرتے رہے اس بحث کو چھوڑ دیا پھر یہ سوال کیا کہ اس حدیث کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا بحق جناب امیرؑ حربك حربي وسلمك سلمي۔ **قاضی**۔ بیشک یہ حدیث صحیح ہے۔ **شیخ مفید**۔ پھر اصحاب جمل کے بارے میں کیا حکم ہے جنہوں نے جناب امیر سے قتال کیا کیونکہ بقول تمھارے وہ سب کافر ہوئے۔ **قاضی**۔ ان لوگوں نے توبہ کی۔ **شیخ**۔ جنگ کرنا درایہ (واقعہ چشم دید ہے) اور توبہ کرنا روایت ہے۔ اور تم پہلے کہہ چکے ہو کہ درایہ کے مقابلہ میں روایت کوئی چیز نہیں۔ **قاضی**۔ یہ سنکر مبہوت ہو گئے اور ایک ساعت تک سر جھکائے رہے۔ پھر پوچھا تم کون ہو؟ **شیخ مفید**۔ میں ہوں تمھارا خادم محمد بن محمد بن نعمان۔ یہ سنکر قاضی اپنی جگہ سے اٹھے اور شیخ مفید کا ہاتھ پکڑ کر اپنی مسند پر لیگئے اور کہا انت المفید حقا اس کلام اور

حرکت قاضی نے تمامی علماکے چہرے بگاڑ دئے صورت سے اُنکی ناراضی نمایاں تھی قاضی نے کہا ایُّہا العلماء والفضلاء اس شخص نے مجھکو لاجواب کر دیا کوئی جواب مجھسے نہیں بن پڑتا اگر تملوگ اسکا جواب دو تو میں اسے اُستاد ہوں اور تم لوگ اُسکی جگہ پر آؤ۔ مگر جب اُستاد عاجز تھے تو شاگرد کیا جواب دے سکتے۔

یہ خبر ایسا جلد مشہور ہوئی کہ تمام شہر میں اسکی دھوم مچ گئی عضد الدولہ نے سُنا تو اپنے مکان پر بلا بھیجا اور یہ ماجرا خود اُنکی زبان سے سُنا اور خلعت وانعام دیکر بکمال احترام رخصت کیا علی بن عیسے رمانی والی حکایت میں بھی یہی مضمون روایت ہے جسکے جواب سے وہ عاجز آیا اور نام انکا اور انکے اُستاد کا دریافت کرکے اپنے زنانہ مکان میں گیا وہاں جاکر ایک رقعہ بنام اُستاد شیخ مفید علیہ الرحمہ تحریر کیا جس میں شیخ مفید علیہ الرحمہ کے بارے میں بہت کچھ وصیت کی تھی اور سارا ماجرا لکھکر لقب مفید ان کو ملقب کیا۔

غرض جناب سید مرتضےٰ اور سید رضی علیہم الرحمہ ایسے اُستاد کے شاگرد تھے جنکے فضل وکمال کا تمام دوست دشمن کو اقرار تھا اور سب اُنکے مقابلہ سے ایسا عاجز تھے کہ بجز اُنکی موت کے ان لوگوں کو راحت نہ ملسکتی تھی۔ پھر اُنکے ان ارشد تلامذہ کا کیا حال ہوگا جنکی تعلیم عالم رویا میں بحکم جناب سیدہ ان سے متعلق ہوئی یہی وجہ ہے کہ اُستاد ابو اسحٰق کا بیان مذکور کہ سب ایک طرف ہوتے تھے اور سید مرتضےٰ تنہا ایک طرف اور سب پر غالب آتے۔

سید مرتضےٰ کا لقب علم الہدےٰ مشہور ہے ابو سعید محمد بن حسین بن عبد الصمد وزیر نے ۴۲۰ھ میں اس مضمون کا خواب دیکھا تھا کہ جناب امیرؑ انسے کہہ رہے ہیں تم علم الہدےٰ سے یہ کہو اسنے پوچھا علم الہدےٰ کون ہے۔ حضرت نے فرمایا علی بن حسین موسوی (سید مرتضےٰ) چنانچہ جب وزیر نے اس لقب سے سید مرتضےٰ کو رقعہ لکھا تو اُنھوں نے انکار کیا کہ یہ لقب نہایت عظیم الشان ہے ہم اسکے لائق نہیں تب وزیر نے جواب دیا یہ لقب میں نے نہیں دیا ہے بلکہ آپ کے جد امجد علی مرتضےٰ نے آپکو اس لقب سے ملقب کیا ہے۔

علماء اہل سنت نے اس لقب کو بھی بلا نسبت خود غصب کرلیا بہت سے علما کو اس لقب سے ملقب کیا آخری لقب یہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی کو دیا گیا جو شاہ ولی اللہ کے شاگرد اور شاہ عبد العزیز دہلوی کے پیر بھائی ہیں۔ سید مرتضےٰ کا ایک لقب ثمانینی بھی ہے کیونکہ ہر چیز اسّی اسّی جمع کی تھی چنانچہ سن اُنکا بھی ۸۰ سال ۸ مہینہ تھا اور کل کتابیں اُنکی جسمیں انکے تصنیفات بھی شامل ہیں اور مقروات وغیرہ اُنکی تعداد اسّی ہزار ہے۔

اکثر شاگردوں کو اپنے مال سے وظیفہ دیا کرتے اور ایک گاؤں صرف اس غرض سے وقف کیا تھا کہ اُسکے محاصل سے طلبہ اور علما کے لئے کاغذ خریدا جائے تصنیفات اُنکے کثرت سے ہیں کہ حد وحصر اُنکا مشکل ہے چنانچہ دو چار کتابوں کا نام ابن حجر عسقلانی کی عبارت سے سابقاً ظاہر ہوا

وفات اُنکی ۲۵ ربیع الاول ۴۳۶ھ کو ہے اور نماز جنازہ اُنکے فرزند ارجمند ابو جعفر محمد نے پڑھی پہلے اپنے گھر میں مدفون ہوئے۔ پھر نعش اُن کی کربلائے معلی کی طرف منتقل کی گئی اور روضۂ جناب سید الشہدا میں مدفون ہوئے۔ ۳۰ برس بعد اپنے بھائی سید رضی رحمۃ اللہ کے زندہ رہے اور نقابت طالبین و امارتِ حج انھیں سے متعلق تھی۔

سید رضی علیہ الرحمہ کا اشتراکی حال تو جناب سید مرتضے کے ساتھ مذکور ہوا کہ شیخ مفید کے خواب میں دونوں بھائیوں کو جناب سیدہ نے سپرد کیا تھا۔ تعلیم دونوں بھائیوں کی نہایت اعلےٰ پیمانہ پر ہوئی تھی تیزی وحدت ذہن و ذکا میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے چنانچہ ابن السیرانی کی حکایت مشہور ہے کہ فن نحو کا امام تھا سید رضی بہت ہی صغیر السن تھے نحو انھیں ابن سیرانی سے پڑھا کرتے ایک روز ابن سیرانی نے بطور امتحان سوال کیا کہ عمر (یہ لفظ بقاعدہ فن نحو غیر منصرف ہے کہ اسپر تنوین نہیں آتی۔ اسی بنیاد پر سوال کیا کہ چونکہ عمر غیر منصرف ہے اسلئے اُسپر تنوین تو آتی نہیں پس پھر اُسکی کس علامت نصب کیا ہے۔ سید رضی نے جواب دیا اُسکے نصب کی علامت **بغض علی** ہے کیونکہ ایک معنی نصب کے بغض اہل بیتؑ ہے جس سے ناصبی کہا جاتا ہے) اس جواب سے سیرانی اور کل حضار جلسہ نہایت متعجب ہوئے۔ دس برس سے کچھ سن متجاوز ہوا تھا کہ انہوں نے شعر کہنا شروع کیا اور اس فن میں ایسا کمال بہم پہنچایا کہ تمامی قریش میں ابتدا سے انتہا تک انکا کوئی ہمسر نہ ہوا۔ ابو الحسن عامری ناقل ہے کہ سید مرتضے نے دو شعر کہے تھے عربی میں جو نہایت ہی اعلےٰ درجہ کے شعر تھے ہم نے اُن دونوں شعروں کو جاکر سید رضی سے بیان کیا برجستہ اُنہوں نے اُسی ردیف و قافیہ میں ایسے دو شعر کہے کہ معلوم ہوتا ہے ایک ہی شخص کا کلام ہے۔ سید مرتضے سے ہم نے ان دونوں شعروں کو بیان کیا تو کہا یہی تیزی ذہن کی اُن کو ہلاک کریگی چنانچہ چند ہی روز بعد سید رضی بیمار ہوے اور انتقال کیا۔

شعر سید مرتضے

سری طیف سعدے طارقاً فاستفزنی   ھبوباً وصحبی بالفلاۃ رقود

نقلت لعینی عادۃ النوم ہجعی	لعل خیال الاطار قا سیعود
شعر سید رضیؒ فی البدیہہ	
فردت جوابا والدموع بوادر	وقد آن للشمل المشتت ورود
فہیہات عن لقیا حبیب تعرضت	لنا دون لقیاہ مہامہ بید

معلوم ہوتا ہو کہ جناب سید رضی پر ابتدا ہی سے علم کا مذاق ایسا غالب تھا کہ باوصفیکہ جناب شیخ مفید سے تعلیم میں اپنے بھائی کے شریک رہے مگر فطری مذاق سب پر غالب رہا جو لطف آپکو اس فن ادب سے تھا وہ دلچسپی دیگر فنون میں نہیں ہوئی یہی وجہ ہو کہ کہا جاتا ہو کچھ بعد دس برس کے انہوں نے شعر کہنا شروع کیا اور ایسا مذاق غالب تھا کہ ثعالبی سے ادیب نے کہا ہو ھو اشعر الطالبین من مضی منھم ومن غبر علی کثرۃ شعرائھم المفلقین ولو قلت انہ اشعر قریش لم ابعد عن الصدق یعنی تمامی طالبین میں انکا شعر گوئی میں بڑھا ہوا ہو حالانکہ جیسے جیسے عالی درجہ کے شعرا ان میں بکثرت گذرے ہیں وہ سبکو معلوم ہو۔ بلکہ اگر میں کہوں کہ تمامی قریش میں انکے مقابلہ کا کوئی شاعر نہیں گذرا تو یہ دعوے غلط نہیں ہو سکتا۔ کبر نفس وعالی ہمتی میں بھی یہ سب سے ممتاز تھے کبھی انہوں نے صلہ یا انعام کسیکا نہ قبول کیا یہانتک کہ اپنے والد ماجد کے صلہ یا انعام کو بھی نہ قبول کرتے تھے۔ سلاطین بنی بویہ نے بہت کچھ کوشش کی کہ کسی طرح انکا صلہ اور جائزہ وانعام قبول کریں مگر کبھی نہ راضی ہوے درحقیقت یہ صفت فی نفسہ جیسی اعلیٰ ہو اور خصوصًا اہل علم کے لئے وہ محتاج بیان نہیں مگر اس صفت پر سب کی نظر کا پڑنا غالبًا بوجہ شاعری کے زیادہ ہو کیونکہ عمومًا شعرا جوائز وانعام پاتے ہیں اور وہ طالب ہوتے ہیں۔ مگر سید رضی جہاں فن شاعری میں اپنا مثل نہ رکھتے تھے اُسکے نقائص ومعائب سے بھی ایسا بری تھے کہ کبھی نہ اسکے روادار ہوئے کہ اپنے باپ کا انعام قبول کریں چہ جائیکہ اور لوگونکے انعام کو قبول کرتے۔

سید رضی علیہ الرحمہ کی یہ صفت اگرچہ بہت مشہور ہو لیکن اسکے متعلق بعض علمار اہل سنۃ نے اپنے ملکۂ جدلیہ سے کام لیکر ایک ایسی حکایت بنائی ہو جس سے سید رضی علیہ الرحمہ کی خوبی نفس ظاہر ہو مگر جناب سید مرتضےٰ کی جو سر شکن علماے مخالفین تھے فی الجملہ توہین ہو چنانچہ ابو حامد محمد بن محمد[۱] اسفرائنی فقیہ شافعی ناقل ہو کہ میں ایک روز فخر الملک کے دربار میں حاضر تھا

[۱] یہ حکایت عمدۃ الطالب میں اس طور پر مرقوم ہو کہ مرتضےٰ پہلے تشریف لاے تو وزیر نے کھڑے ہو کر انکی تعظیم کی

جو بہار الدولہ کے وزیر تھے کہ جناب سید رضی تشریف لائے وزیر نے نہایت تعظیم و تکریم
سے انکا استقبال کیا اور جسقدر دفتر کے کاغذ وغیرہ دستخط کے لئے حاضر تھے سب کو ہٹا دیا
بکمال ادب انسے باتیں کرتے رہے یہانتک کہ جناب سید رضی رخصت ہوئے اور اپنے مکان پر تشریف
لیگئے تھوڑی دیر کے بعد جناب سید مرتضیٰ تشریف لائے تو انکی نہ ویسی تعظیم کی نہ وہ احترام کار و بار میں
بھی اشتغال رہا انسے کچھ بات چیت کرتے رہے یہانتک کہ وہ بھی رخصت ہوئے اور تشریف لیگئے تب
میں نے عرض کیا کہ یہ سید مرتضیٰ کیسے عالم جلیل القدر ہیں جو تمامی علوم و فنون میں اپنا مثل و نظیر نہیں رکھتے
انکی تو آپ نے معمولی تعظیم کی اور سید رضی جو صرف ایک مرد شاعر ہیں انکی تعظیم و تکریم میں اس درجہ اہتمام
کیا اسکی کیا وجہ؟ وزیر نے کہا جب مجمع برخاست ہو اور میں فارغ ہو جاؤں تو اسکا جواب دونگا۔ بعد فراغ کار
بار وزیر نے اپنے خادم سے کہا کہ سید رضی کا وہ رقعہ جو فلاں مقام پر رکھوایا تھا اور سید مرتضیٰ کا وہ
خط جو فلاں جگہ ہے لے آؤ جب غلام دونوں رقعوں کو لایا تو وزیر نے کہا دیکھو یہ رقعہ سید رضی کا ہے جسکا یہ قصہ ہے

اور انہیں پاس بٹھلایا اور انسے بات کرتے رہے یہانتک کہ انکے مہمات سے فارغ ہوئے اور وہ تشریف لیگئے وزیر نے تعظیم کر کے انکو
رخصت کیا بعدہ جناب سید رضی تشریف لائے اسوقت وزیر نے ایک رقعہ لکھنا شروع کیا تھا مگر یہ خبر سنتے ہی سب کام دستخط کو چھوڑ دیا اور
دہلیز تک جا کر انکی پیشوائی کی اور بکمال ادب انکے روبرو بیٹھے رہے یہانتک کہ وہ بھی رخصت ہوئے اور دہلیز تک پہنچانے گئے ابو اسحٰق کا
بیان ہے کہ جب مجمع برخاست ہوا تو میں نے سوال کرنا چاہا اسپر خود وزیر نے بیان کیا کہ فلاں نہر کھودنے کا حکم دیا جس سے شریف
مرتضیٰ پر ۲۰ درہم عائد ہوا اسکے بارے میں انہوں نے چند مرتبہ رقعہ لکھا بخلاف اسکے جب سید رضی کے یہاں لڑکا پیدا ہوا تو میں نے ہزار
اشرفیاں بھیجیں مگر انہوں نے واپس کیا یہ کہکر کہ وزیر کو خوب معلوم ہے کہ ہم کسیکی کوئی چیز نہیں قبول کرتے دوبارہ میں نے
کہلوایا کہ یہ مال قابلہ کے لئے ہے تو جواب دیا ہماری عورتیں بھی اس قسم کا مال نہیں قبول کرتیں تیسری بار میں نے کہلوایا کہ اچھا
طالب العلموں کو تقسیم کر دیجئے۔ تو آپ نے فرمایا یہ طالب العلم موجود ہیں جو چاہیں لے لیں۔ ایک طالب العلم نے ایک اشرفی لی
اور اس میں سے ایک ٹکڑا توڑ لیا اور ما بقی کو اسی طبق میں ڈالدیا سید رضی علیہ الرحمہ نے اسکی وجہ دریافت کی تو جواب دیا شب
کو چراغ کے لئے تیل کی ضرورت ہوئی تو آپکا خزانہ بند تھا اور خازن موجود نہ تھا لہذا فلاں بقال سے تیل قرض لیا اسکے لئے
یہ ٹکڑا لیا ہے کہ اُس بقال کا قرضہ ادا کر دیں۔ چونکہ سید رضی علیہ الرحمہ نے اپنے شاگردوں کے لئے ایک مکان علیحدہ بنوا
دیا تھا جسکا نام دار العلم تھا اور طلبہ کے لئے ہر طرح کا سامان مہیا کیا تھا اور اسکا خازن بھی تھا۔ لہذا سید رضی
علیہ الرحمہ نے یہ حکایت سنکر حکم دیا کہ خزانہ کی کنجیاں مطابق عدد طلبہ بنوائی جائیں تاکہ ہر طالب العلم کے پاس کنجی رہے اور
کوئی اسکا محتاج نہ ہو کہ جب خازن آئے اور خزانہ کھولے تب ان لوگوں کی رفع ضرورت ہو۔ صفحہ ۱۹۲ امنہ

کہ جب اُنکے یہاں فلاں لڑکے کی ولادت ہوئی تو دوستانہ طور پر مجکو اسکی خبر دی اُسپر میں نے
ہزار اشرفی بطور ہدیہ اُنکو بھیجی اور رقعہ لکھا کہ یہ ہدیہ نذر قابلہ کے لئے روانہ کرتا ہوں آپ اسے
قبول فرمائیں کیونکہ با خود ہما دوستوں میں یہی دستور جاری ہو اُسکے جواب میں سید رضی نے بہت کچھ
معذرت کے بعد لکھا تھا "کہ ہمارے خاندان کا یہ دستور نہیں کہ غیر قابلہ ہمارے حالات سے مطلع
ہوں یہ کل خدمتیں ہمارے گھر کی بزرگ عورتیں خود انجام دیتی ہیں جو نہ کسی طرح اجرت لیتی ہیں کوئی انعام و صلہ"
اسکے بعد سید مرتضےٰ کے رقعہ کا حال بیان کیا کہ ہم لوگوں نے اُنھیں اپنے امور سلطنت میں دخل دیا ہو
اور بہت سی جائدادیں اور املاک اُنکے قبضہ میں ہو اُنکی ایک جائداد پر صرف ایک دینار مالگذاری لگائی گئی ہو
جسکے بارے میں اُنہوں نے یہ رقعہ لکھا ہو۔ ابوحامد کا بیان ہو کہ وہ رقعہ سو سطر کا ہوگا جس میں تمامتر
خوشامد اور آرزو منت اسکی ہو کہ یہ مالگذاری معاف کردی جاے۔

بعدہ وزیر نے کہا اب بتاؤ کون شخص زیادہ مستحق تعظیم ہو سید رضی جو اگرچہ مرد شاعر ہیں مگر یہ نفس عالی
رکھتے ہیں یا سید مرتضےٰ جو اگرچہ تمامی صفات کمال سے متصف ہیں مگر نفس اُنکا ایسا ہو۔ ابوحامد نے
جواب دیا بے شک وہی زیادہ مستحق تعظیم ہو۔

تعجب ہو کہ وزیر نے یا اس فقیہ راوی قصہ نے اسپر نہ غور کیا کہ چونکہ جناب سید رضی نے اپنے
تعلقات کو کم کر دیا تھا گوشہ نشیں تھے لہذا اُنکو ضرورت کم تھی بخلاف سید مرتضےٰ علیہ الرحمہ کے جو
صرف دنیاوی حیثیت سے نہیں بلکہ علمی اور مذہبی حیثیت سے بھی رئیس مانے گئے تھے۔ صرف کاغذ
کے لئے ایک گاؤں وقف کیا تھا اپنے شاگرد شیخ ابوجعفر طوسی علیہ الرحمہ کو روزانہ بارہ اشرفی
دیا کرتے ابن براج کو آٹھ اشرفی کا مہینہ دیتے تھے یہانتک کہ یہودیوں نے صرف اسی دنیا کی غرض سے[له]

له وكان نحيف الجسم حسن الصورة وكان يدرس في علوم كثيرة ويجري على تلامذته رزقاً فكان للشيخ
أبي جعفر الطوسي أيام قراءته عليه كل يوم اثني عشر ديناراً وللقاضي ابن البراج كل شهر ثمانية دنانير وأصاب الناس
في بعض السنين قحط شديد فاحتال رجل يهودي على تحصيل قوت يحفظ نفسه فحضر يوم مجلس المرتضى
واستأذنه أن يقرأ عليه شيئاً فأذن له وأمر بجائزة تجري عليه كل يوم فقرأ عليه برهة ثم أسلم على يده وكان
قد وقف قرية على كاغذ الفقهاء وكان يلقب بالثمانين لأنه أحرز من كل شيء ثمانين حتى أنه كان عمره
ثمانين سنة وثمانية أشهر ۱۲ لؤلؤة البحرين۔

انکی شاگردی قبول کی کہ انعام وجواہر سے لکھے کامیاب ہوں کیونکہ وہ زمانہ قحط کا تھا۔ اور چند ہی روز بعد وہ یہودی صدق دل سے مسلمان ہوا۔ اس قسم کی صدہا ضرورتیں پیش آگئیں جن بغیر خرچ مال کثیر وہ دینی مذہبی کام انجام نہ پاتا۔ پھر اگر وہ اس طرح سے ان ناجائز مطالبات کو نہ معاف کرلاتے تو یہ ضروری امور کیونکر انجام پاتے۔ ہم نہیں سمجھتے کہ فخر الملک نادان تھے یا ان امور کو نہ سمجھتے ہوں گے بلکہ چونکہ اہل دنیا کی نظر ظاہری امور پر ہوتی ہے لہذا سید رضی کا یہ استعفاف نہایت عظیم معلوم ہوا اور جناب سید مرتضیٰ کے ان چند دریافت داعیہ کا خیال نہ رائج ہوا۔ اور جناب مذکور اگر خود صاحب عقل ہوتا یا نور ایمان سے اسکا قلب منور ہوتا تو وہ ضرور وزیر کی اس تقریر کا جواب شافی دیتا اور بتاتا کہ یہ فعل جناب سید مرتضیٰ کا از راہ حب مال نہ تھا بلکہ ضروریات شرعیہ انکو اسپر مجبور کئے ہوئے تھی مگر ظاہر میں لوگ اسکو کیا سمجھ سکتے ہیں۔ بہر حال عبرت کے لئے یہ حکایت کافی ہے کہ جب جناب سید مرتضیٰ کی تعظیم میں بوجہ محبت مال جو بضرورت تھی یہ کوتاہی ہوئی تو دوسرے اشخاص کیا اسکی امید کر سکتے ہیں حالانکہ خود جناب سید مرتضیٰ من حیث المال بھی ایسے امیر کبیر تھے کہ اسی گاؤں کے مالک تھے۔

جناب سید رضی کے نفس عالی اور بلند ہمتی کے لئے وہ قطعہ کافی ہے جو انہوں نے خلیفہ وقت قادر باللہ عباسی کو لکھا ہے

عطفا امیر المومنین فاننا — فی دوحہ العلیا لا تتفرق
ما بیننا یوم الفخار تفاوت — ابدا کلانا فی المعالی معرق
الا الخلافۃ میزتک فاننی — انا عاطل منہا وانت مطوق

حالانکہ مفاخرت میں وہ خلیفہ کسی طرح انکا مقابل نہ تھا مگر بخیال مصلحت وقت مساوات سے نیچے سمجھے دیا کہ صرف خلافت سے تم ہم سے متمیز ہو گئے ورنہ ہم تم مساوی تھے جس پر قادر باللہ نے کہا علی رغم انف الشریف۔

اس قسم کی ایک حکایت جناب سید مرتضیٰ کی بھی ہے کہ وہ قادر باللہ کی مجلس میں تشریف فرما تھے ایک دفعہ ریش مبارک کو ہاتھوں سے بلند کیا جس پر قادر باللہ نے کہا تشمہ منہا رائحۃ الخلافۃ کیا تم اس ریش سے رائحہ خلافت کی خوشبو لیتے ہو۔ سید مرتضیٰ نے کہا بل نشم رائحۃ النبوۃ یعنی رائحہ خلافت کیا ہے ہم رائحہ نبوت کا استشمام کرتے ہیں۔

اسی عالی ہمتی کا یہ اثر تھا کہ جناب سید رضی علیہ الرحمہ نے اپنے والد ماجد ہی کے زمانہ میں اُن کل عہدوں پر قبضہ پایا جو اُنکے والد سے متعلق تھا مثل نقابت طالبین۔ نظر فی المظالم۔ امارت حج وغیرہ ان سب امور کے ساتھ گو جناب سید رضی پر تمامتر فن ادب شاعری نے قبضہ پا یا تھا لیکن انکے تصانیف کثیرہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ دوسرے فنون میں انکا کس درجہ بلند پایہ تھا۔

(۱) کتاب المتشابہ فی القرآن (۲) کتاب حقائق التنزیل (۳) کتاب تفسیر القرآن (۴) کتاب مجازات الآثار النبویہ (۵) کتاب تعلیق خلاف الفقہاء (۶) کتاب تعلیق الایضاح (۷) کتاب خصائص الائمہ (۸) کتاب نہج البلاغہ (۹) کتاب تلخیص البیان فی مجازات القرآن (۱۰) کتاب الزیادات فی شعر ابی تمام (۱۱) کتاب سیرۃ والدہ الطاہر (۱۲) کتاب انتخاب شعر ابن الحجاج (۱۳) کتاب مختار شعر ابی اسحٰق الصابی (۱۴) کتاب ما دار بینہ و بین ابی اسحٰق من الرسائل ۳ جلد۔ (۱۵) کتاب دیوان اشعار ۴ جلد

تفسیر جناب سید رضی کے بارے میں علامہ ابو الحسن عمری کہتے ہیں کہ نہایت عمدہ تفسیر ہے جو حجم میں شیخ ابو جعفر طبری کی تفسیر[۱] کے برابر ہے یا اُس سے زیادہ حجیم ہے جناب سید رضی نے قرآن مجید تیس برس کی عمر کے بعد تھوڑی سی مدت میں حفظ کر لیا تھا تعلیم قرآن میں جو انکے استاد تھے اُنسے اور اُنسے ایک عطیہ کے باب جو واقعہ گذرا ہے وہ نزاہت نفس سید رضی کی بہت بڑی دلیل ہے ابن ابی الحدید نے اسکو تفصیل سے لکھا ہے جناب سید رضی نے ۶ محرم کو صبح کے وقت ۴۰۶ھ میں انتقال کیا اور تمامی وزرا و ارکان سلطنت شریک جنازہ رہے مگر چونکہ جناب سید مرتضیٰ کو انتہا سے زیادہ اپنے چھوٹے بھائی سے محبت تھی لہذا اُنکے دل میں اس کی تاب نہ رہی کہ انکا جنازہ تابوت دیکھیں روتے پیٹتے مشہد کاظمین علیہم السّلام کی طرف چلے گئے فخر الملک وزیر نے نماز جنازہ پڑھی اور بعد فراغ دفن و کفن جا کر جناب سید مرتضیٰ کو سمجھا بجھا کر مکان میں لائے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہاں تک تو اجمالی حالات تھے جناب سید رضی اور اُنکے تصنیفات کے جو کتب رجال شیعہ و اہل سنت سے لکھے گئے اب کچھ عبارات علمائے اہل سنت لکھی جاتی ہیں تاکہ ناظرین کو معلوم ہو کہ وہ لوگ بھی جناب سید رضی کو

---

[۱] تفسیر طبری فی الحال مصر میں چھپ گئی ہے جو ۳۰ جلدوں میں ہے ۲؎ جناب سید رضی و سید مرتضیٰ علیہما الرحمہ کی قبریں اب تک مشہد کاظمین علیہما السّلام میں مشہور و معروف ہیں چنانچہ فقیر مولف بھی ان مزاروں کی زیارت سے مشرف ہوا ہے [illegible]

کن نظروں سے دیکھتے ہیں اور انکا ذکر کن الفاظ سے لکھتے ہیں۔

علامہ ابن خلکان اپنی کتاب **وفیات الاعیان** میں لکھتے ہیں الشریف الرضی ابو الحسن محمد بن الطاہر ذی المناقب ابی احمد الحسین بن موسی بن محمد بن موسی الکاظم بن جعفر الصادق بن محمد الباقر بن علی زین العابدین بن الحسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم المعروف بالموسوی صاحب دیوان الشعر ذکرہ الثعالبی فی کتاب الیتیمۃ فقال فی ترجمتہ ابتدء یقول الشعر بعد ان جاوز عشر سنین بقلیل وھو الیوم ابدع انشاء الزمان وانجب سادۃ العراق یتحلی مع محتدہ الشریف ومفخرہ المنیف بادب ظاہر وفضل باہر وحظ من جمیع المحاسن وافر ثم ھو اشعر الطالبیین من مضی منھم ومن غبر علی کثرۃ شعرائھم المفلقین ولو قلت انہ اشعر قریش لم ابعد عن الصدق وسیشھد بما اخبرتہ شاھد عدل من شعرہ العالی القدح الممتنع عن القدح الذی یجمع الی السلاسۃ متانۃ والی السھولۃ رصانۃ ویشتمل علی معان یقرب جناھا ویبعد مداھا پھر لکھتے ہیں وذکر ابو الفتح بن جنی النحوی المقدم ذکرہ فی بعض مجامیعہ ان الشریف المذکور احضر الی ابن السیرافی النحوی وھو طفل جدا لم یبلغ عشر سنۃ فلقنہ النحو وقعد معہ یوما فی الحلقۃ فذاکرہ بشیء من الاعراب علی عادۃ التعلم فقال لہ اذا قلنا رایت عمر فما علامۃ النصب فی عمر فقال لہ الرضی بغض علی فعجب السیرافی والحاضرون من حدۃ خاطرہ وذکر انہ تلقن القرآن بعد ان دخل فی السن فحفظہ فی مدۃ یسیرۃ وصنف کتابا فی مجازات القرآن فجاء نادرا فی بابہ وقد اعتنی بجمع دیوان الرضی المذکور جماعۃ اجود ما جمع الذی جمعہ ابو حکیم الخبری ولقد اخبرنی بعض الفضلاء انہ رای فی مجموع ان بعض الادباء اجتاز بدار الشریف الرضی المذکور بسر من رای وھو لا یعرفھا وقد اخنی علیہ الزمان وذھبت بھجتھا واخلق دیباجتھا وبقایا رسومھا تشھد لھا بالنضارۃ وحسن البشارۃ فوقف علیھا متعجبا من صروف الزمان وطوارق الحدثان وتمثل بقول الشریف الرضی المذکور وھو ولقد وقفت علی ربوعھم

وطلو ہا بیدالبلی تنہب + فبکیت حتی ضج من لغب + بِضوی لج بعذالی الرکب
وتلفتت عینی فمذ خفیت + عنی الطلول تلفت القلب + فمر بہ شخص وسمعہ ینشد
ہذہ الابیات فقال لہ ہل تعرف ہذا الدار لمن ہی فقال لا فقال ہذہ الدار لصاحب
ہذہ الابیات الشریف الرضی فتعجبا من حسن الاتفاق پھر لکھتے ہیں قال الخطیب
فی تاریخ بغداد سمعت اباعبداللہ لکاتب بحضرۃ ابی الحسین بن محفوظ وکان
اوحد الروساء یقول سمعت جماعۃ من اہل العلم بالادب یقولون الرضی اشعر
قریش فقال ابن محفوظ ہذا صحیح وقد کان فی قریش من یجید القول الا ان
شعرہ قلیل فاما مجید مکثر فلیس الا الرضی وکانت ولادتہ سنۃ تسع وخمسین و
ثلثمائۃ ببغداد وتوفی بکرۃ یوم الخمیس سادس المحرم وقیل صفر سنۃ ست واربع
مائۃ ودفن فی دارہ بخط المسجد الانباریین بالکرخ وخربت الدار ودثر
القبر ومضی اخوہ المرتضی ابوالقاسم علی الی مشہد موسی بن جعفر لانہ
لو یستطع ان ینظر الی تابوتہ ودفنہ وصلی علیہ الوزیر فخرالملک فی الدار
مع جماعۃ کثیرۃ رحمہ اللہ تعالیٰ

خلاصہ اسکا یہ ہے کہ جناب سید رضی علیہ الرحمہ انجب سادات عراق سے ہیں کہ علو خاندان و شرف دودمان
کے ساتھ تمامی فضائل و مناقب کے آپ جامع تھے تمامی قریش میں از سلف تا خلف کوئی انکے مقابل
کا شاعر نہیں گذرا دس برس کا سن تھا کہ انہوں نے شعر کہنا شروع کیا اور اپنے والد ابو احمد حسین
بن موسیٰ کی زندگی ہی میں نقابت طالبین انسے متعلق ہوئی پہلے انکے والد نقیب تھے جنسے
تمامی خاندان ابوطالب کی حکومت دوران کے قضایا کا فیصلہ وغیرہ متعلق تھا اور حج کی سرداری
بھی انسے متعلق رہتی یہ سب خدمتیں اپنے باپ کے زمانہ ہی میں انسے متعلق ہوئیں حالانکہ ابھی وہ زندہ
تھے اسکے بعد چند اشعار لکھے ہیں جن سے معلوم ہوسکتا ہے کہ فصاحت و بلاغت میں سید رضی کو
ابن سیرافی نحوی کی شاگردی میں سپرد کئے گئے کہ علم نحو تعلیم کرے اس وقت انکا سن
دس برس کا بھی نہ تھا ایک روز ابن سیرافی نے بطور امتحان پوچھا کہ عمر کے نصب
کی علامت کیا ہے؟ اصل یہ ہے کہ عربی میں اسم کی دو قسم ہیں منصرف جسپر سب حرکتیں

آتی ہیں اور غیر منصرف جسپر نصب یعنی فتحہ یا تنوین نہیں آتا۔ عمر بھی غیر منصرف ہے اسیلئے نصب ہے سوال تھا کہ اگر عمر کو نصب دیں تو کیونکر پہچانا جائیگا کہ اس کو نصب ہے سید رضی علیہ الرحمہ نے جواب دیا کہ اسکی دشمنی جناب امیر ؑ سے بھی علامت نصب ہے ابن سیرافی نے نصب سے اعراب مراد لیا تھا اور سید نے نصب کو بمعنی دشمن اہل بیت لیکر جواب دیا اس جواب سے ابن سیرافی اور تمامی حاضرین نہایت متعجب ہوئے علامہ ابو محمد عبد اللہ اسعد الیافعی الیمنی الشافعی کتاب مرآۃ الجنان وعبرۃ الیقظان ۴۰۶ھ کی حالات میں لکھتے ہیں وفی السنۃ المذکورۃ الشریف الرضی ابو الحسن محمد بن الحسین بن موسی الحسینی الموسوی البغدادی الشیعی نقیب الاشراف ذو المناقب ومحاسن الاوصاف صاحب دیوان الشعر الخ اور علامہ ابو الحسن باخرزی کتاب دمیۃ القصر وعصرۃ اہل العصر میں لکھتے ہیں السید الرضی الموسوی رضی اللہ عنہ وارضاہ له صدر الوسادۃ بین الائمۃ والسادۃ وانا اذا مدحتہ کنت کمن قال الذکاء ما انورک وللخضارۃ ما اغزرک وله شعر اذا افتخر به ادراک من المجد اقاصیه وعقد بالنجم نواصیه واذا نسب انتی لی الرقۃ من نسیبه فاز بالقدح المعلی من نصیبه حتی لو انشد الراوی غزلیاته بین یدی العزهاۃ لقالت له من العزهات واذا وصف فکلامه فی اوصاف احسن من الوصائف الوصاف وان مدح تحیر فیه الاوهام بین مادح وممدوح له بین المتواهنین فی الحلبتین سبق سابق مروح وان نثر جمدت منه الاثر ورایت هنالک خرزات من العقد تنفض وقطرات من المزن ترفض ولعمری ان بغداد قد انجبت به فبوأتها وطلالها وارضعته زلالها وانشقته شمالها وورد شعره دجلتها فشرب منها حتی شرق وانغمس فیها حتی کاد ان یقال غرق فکلما انشدت محاسن کلامه تنزهت بغداد فی نضرۃ نعیمها واشتفت من انفاس الهجایر بمراوح نسیمها فمن عقد سحره وعقود دره قوله فی مطلع قصیدۃ له ؎

وظبیته من ظباء الانس عاطلة | تستوقف العین بین الخمص والهضم

الی آخر ما ذکر من الاشعار۔ اس عبارت مقفی و مسجع میں جسکی بلاغت و رزانت ارباب علم پر مخفی نہیں پہلے تو علامہ باخرزی نے سید رضی رحمہ اللہ کو بہ لفظ رضی اللہ عنہ وارضاہ یاد کیا جو مخصوص کلمہ ہے کہ

بھی صحابہ استعمال کیا جاتا ہے جس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جناب سید کی کیا عظمت انکے دل مین تھی دوسرے یہ کہا کہ وہ صدر نشین و سادہ امامت و سیادت ہین مجھسے اپنی نسبت بمقابلہ اُن کے یہ قرار دی کہ جیسے کوئی آفتاب سے کہے تو کس قدر روشن ہے اور دریا سے کہے کہ تو کسقدر زیادہ ہے جس سے معلوم ہوا کہ علامہ باخرزی اپنی تئین اُن کے مقابلہ مین ذرہ بے مقدار قطرہ ذلیل و خوار تصور کرتے ہین اور لکھتے ہین کہ بغداد و دجلہ کی نہرین اُن کے باران فیض و لطافت شعر سے سیراب ہوئین اور اُن کے نظم عالی کا یہ پایہ تھا کہ دریائے دجلہ کی تشنگی اُس سے بجھی بلکہ بمقابلہ کے غرق عرق ندامت ہوئی جسقدر اُن کے محامد و اوصاف و اشعار مذکور ہوتے ہین شہر بغداد کی نظارت و تازگی مین ترقی ہوتی ہے اور ان اشعار آبدار کے نسیم پر بہار سے بغداد کے روح کو راحت اور امراض سے صحت ہوتی ہے۔ پس جو شخص ایسا کہ صدر و سادہ ہو و میان ائمہ و سادہ اور علامہ ابن ابن خلکان ثعلبی و یافعی و صلاح الدین خلیل بن ایبک صفدی و باخرزی وغیرہ ائمہ دین اہلسنۃ اُسکے اس درجہ مداح ہون اُسکے نسبت کوئی شخص گمان کر سکتا ہے کہ معاذ اللہ وہ اس امر قبیح کا مرتکب ہو کہ نہج البلاغہ کے خطبے موضوع کرکے جناب امیر علیہ السلام کے طرف منسوب کرے جو فی نفسہ بہر حال بھی ہو جیسا کہ مذکور ہوا

خرافات علماء اہلسنۃ

جہان علماء اہل سنۃ کی عبارت آرائیان ذکر فضایل و مناقب جناب سید رضی علیہ الرحمہ مین ملاحظہ کین وہان ان حضرات کی کچھ خرافتین بھی ملاحظہ ہون کہ نواب صدیق حسن خان جو مجدد مائۃ ثالث عشر ہین اپنی کتاب ابجد العلوم مین لکھتے ہین صفحہ ۱۴۱ الرضی الامام الاستراباذی محمد بن الطاہر الحسین بن موسی بن محمد بن موسی بن ابراہیم بن موسی الکاظم بن جعفر الصادق علیہ السلام المعروف بالموسوی صاحب دیوان الشعر ذکرہ الثعالبی فی کتاب الیتیمۃ وہو الامام المشہور شارح الکافیہ لابن الحاجب الذی لم یؤلف علیہا ولا فی غالب کتب النحو مثلہ جمعا وتحقیقا وحسن تعلیل ولقبہ نجم الائمۃ قال السیوطی لم اقف علی اسمہ ولا علی شیء من ترجمتہ الا انہ فرغ من تالیف ہذا الشرح سنۃ ۶۸۳ واخبرنی صاحبنا المورخ شمس الدین بن عزم بمکۃ ان وفاتہ سنۃ ۶۸۴ او سنۃ ۶۸۶ الشک منی ولہ شرح علی الشافیۃ انتہی قال فی مدینۃ العلوم یروی ان الرضی کان علی مذہب الرفض یحکی عنہ کان یقول العدل فی عمر لیس تحقیق موضع قولہ العدل

في عمر تقديري نعوذ بالله من الغلو في البدعة والعصبية في الباطل يقال انه ليس
في المتاخرين من اطلع على تدقيقات كتاب سيبويه مثله انتهى وذكر له ابن الوردي
في تاريخه ترجمة قال ذكره شيخه السيرافي يوما وهو صبي فقال رأيت عمر
ما علامة النصب في عمرو فقال الرضي بغض علي اشارا الى عمرو بن العاص وبغضه
لعلي فعجب الحاضرون من ذهنه مولده ٣٥٩ سنه ومات في ٣٠٦ سنه قلت ولو قال
بدل قوله ببغض علي خفض علي لكان ابدع وهو اشعر الطالبين على كثرة
شعرائهم المفلقين انتهى وذكر له ابن خلكان ترجمة حسنة واثنى عليه وكان
انجب سادات العراق يتحلى مع محتده الشريف ومفخره المنيف بادب ظاهر و
فضل باهر وحظ من جميع المحاسن وافر ولو قيل انه اشعر قريش لم يبعد عن الصدق
يشهد بذلك شاهد عدل من شعره العالي القدح الممتنع عن القدح الذي يجمع
الى السلاسة متانة والى السهولة رصانة ويشتمل على معان يقرب جناها ويبعد
مداها وديوانه في اربع مجلدات توفي بكرة يوم الاحد سادس المحرم وقيل صفر
ببغداد ودفن في داره بخط مسجد الانباريين بالكرخ وقد خربت الدار ودرس القبر
ومضى اخوه المرتضى الى مشهد موسى بن جعفر لانه لم يستطع ان ينظر الى تابوته ودفنه

اب انکے اغلاط بلکہ خرافات ملاحظہ فرمائی کہ لقب تو لکھا رضی الدین اور نام و نسب لکھتے ہیں سید رضی
علیہ الرحمہ کا حالانکہ دونوں میں آسمان زمین کا فرق ہے لقب ان کا نجم الائمہ شیخ رضی الدین ہے اور
نام اُن کا محمد بن حسن وطن ان کا استرآباد ہے جو ملک ایران میں ہے کافیہ اور شافیہ کے شارح ہیں
جو نہایت مشہور ہے اور ہندوستان میں مکرر نسخے اُسکے چھپ چکے علم نحو کی تحقیقات کا دارومدار انہیں
کی تصنیفات پر ہے۔ اور سید رضی علیہ الرحمہ جامع نہج البلاغہ سادات رفیع الدرجات سے ہیں اور نام
اُن کا محمد بن حسین بن موسیٰ بن محمد بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ہے جیسا کہ وفیات الاعیان
وغیرہ سے مذکور ہوا۔

(۲) شیخ رضی علیہ الرحمہ شارح کافیہ کی وفات حسب تصریح نواب صاحب ۶۸۶ سنہ ہجری اور سید رضی علیہ الرحمہ
کی وفات حسب تصریح ممدوح ۴۰۶ سنہ مگر پھر انکے سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ دو شخص ہیں یا ایک شخص اس پر لطف یہ ہے

کہ ایک صاحب حاشیہ بھی لکھتے ہین یخالفہ ما سیاتی من سنہ مولدہ و وفاتہ وھو الصحیح
کیون نہو دونون صاحب ایک ہی خانوادے کے ہین کل تحریر کو ایک ہی شخص کے متعلق سمجھ رہے ہین
اور یہ نہین سمجھتے کہ یہ خبط ہے جو دو شخص مختلف الاسم والمسمے کو بقاعدہ جنون ایک سمجھ رہے ہین اصل
یہ ہے کہ جملہ رضی الدین الاسترآبادی تو لکھا کتاب مدینۃ العلوم سے اور نسب نامہ لکھا وفیات الاعیان
سے تا جملہ ذکرہ الثعالبی فی کتاب الیتیمہ تاکہ آپ کا تبحر ظاہر ہو اور ظاہر ہوئی حماقت۔
کیونکہ ایسی خبطگی سے عبارتون کا سرقہ کیا گیا ہے کہ کچھ نہین معلوم ہو سکتا کس عالم مین یہ پوری عبارت
لکھی گئی۔ واللہ اعلم بالصواب

(۴) سیوطی سے ناقل ہین کہ مجھے نام وغیرہ ان کا نہین معلوم ہوا حالانکہ بہت سے علمائے اہلسنۃ نے
ان کا یعنی نجم الائمہ شیخ رضی الدین استرابادی کا تذکرہ لکھا ہے۔

(۵) مدینۃ العلوم سے حکایت ناصبیت عمر کی عجب خبطگی سے لکھا حالانکہ وفیات الاعیان مین پوری
حکایت اسکی نہایت وضاحت و متانت سے لکھی ہے اسی مضمون کو اس خبطگی سے لکھا۔ یہ حال
سید رضی علیہ الرحمہ کا تھا۔

(۶) اس دو سطر کے بعد پھر شیخ رضی الدین رحمہ اللہ نجم الائمہ کا حال لکھا یقال انہ لیس فی المتاخرین
(۷) پھر اسی حکایت سید رضی علیہ الرحمہ کو دربارہ نصب عمر ابن الوردی سے لکھتے ہین جو تحریر اول کے
خلاف ہے اور اس جملہ مین بھی حماقت اور اپنے علما کے دیانت کی داد دی کہ عمر کو عمرو عاص بنایا اور یہ
نہ سوچا کہ عمر غیر منصرف ہے اسکے علامت نصب کا سوال ابن سیرافی نے کیا تھا بخلاف عمرو کے کہ وہ
خود غیر منصرف ہے اسکا نصب ہی علامت نصب ہے مگر علمائے اہلسنۃ اسکے بھی روادار نہین ہوئے
کہ کسی شیعہ کی زبان سے بھی ناصبیت عمر کا اقرار کرین۔

(۸) یہ تازہ حماقت ہے کہ نبغض علی پر اصلاح دیتے ہین ببغض علی جس سے کوئی لگاؤ ہی نہین
(۹) کیا ذوقلت جس سے معلوم ہوا کہ یہ اُن کی عبارت ہے اور چار لفظ کے بعد دوسرے کی عبارت
لکھی جسکے بعد انتہی ہی لکھتے ہین

(۱۰) اس کے پانچ چھ سطر بعد پھر ابن خلکان سے لکھا وہی حال کہ دیوان آپ کا چار جلدون مین ہے اور
اپنے ہی مکان مین وفات پائی اور سید مرتضی علیہ الرحمہ ان کے دفن مین شریک ہوئے مشہد طوس کی طرف

غرض ہماری اس عبارت کے نقل اور اظہار خرافت سے یہ ہے کہ چونکہ اہلسنتہ کو اپنے علما کی تحقیقات پر بہت کچھ ناز ہوتا ہے کہ اگر وہ کچھ لکھ جاتے ہین تو اُسکے خلاف اگر ہزارون شواہد دوسرے علمار اہلسنت سے بیان کیے جائین تو اُسے نہین مانتے۔ اسلئے مین نے یہ عبارت لکھی اور اسکے اغلاط ظاہر کیے تاکہ کوئی ایسے نامحقق علمار کے اقوال پر نہ جائے اور حق و باطل مین تمیز کرے کیونکہ جنھے ایسے ایسے علما کی زبانی کتاب مستطاب نہج البلاغۃ کا مجموعہ کلام جناب امیر المومنین علیہ الصلاۃ والسلام ہونا ثابت کیا ہے اور نیز حالات جناب سید رضی علیہ الرحمہ اُن علما کی تحریر و تقریر سے بیان کیا کہ کسی منتفس کو ان اہلسنتہ سے اسمین شک و شبہ نہین رہ سکتا۔

اب کچھ شارحین نہج البلاغۃ کا حال بھی اجمالاً لکھتے ہین تاکہ معلوم ہو کیسے کیسے علما نے اس کتاب کی شرح پر توجہ کی ہے خصوصاً علامہ ابن ابی الحدید جنکی شرح نہایت درجہ مشہور و معروف ہے اور اکثر مقام پر اس شرح مین بھی اُس سے اقتباس کیا گیا ہے۔ لہذا افادہ عوام کے لئے کچھ حالات اُن کے بھی تو ہوتے ہین۔ مگر چونکہ فریقین کے علمائے متعدد نے اس کتاب مستطاب کی شرحین لکھی ہین لہذا دونون فریق کا علٰحدہ علٰحدہ تذکرہ مناسب ہے۔

علمائے اہلسنتہ شارحین نہج البلاغۃ

علمائے اہلسنتہ سے جس نے سب سے پہلے اسکی شرح لکھی وہ علامہ ابن ابی الحدید معتزلی ہین جنکے علم و فضل و کمال کا حال علمائے اہلسنتہ کے ان عبارات سے بخوبی ظاہر ہے۔ علامہ ابن خلکان وفیات الاعیان مین ترجمہ ابن الاثیر الجزری لکھتے ہین۔ ولضیاء الدین من التصانیف الدالۃ علی غزارۃ فضلہ وتحقیق نبلہ کتابہ الذی سماہ المثل السائر فی ادب الکاتب والشاعر وھو فی مجلدین جمع فیہ فاوعی ولم یترک شیئاً یتعلق بفن الکتابۃ الا ذکرہ ولما فرغ من تصنیفہ کتبہ الناس عنہ فوصل الی بغداد منہ نسخۃ فانتدب لہ الفقیہ الادیب عز الدین ابو حامد عبد الحمید بن ھبۃ اللہ بن محمد بن حسین بن ابی الحدید المدائنی وتصدی لمواخذاتہ والرد علیہ وعنہ وجمع ھذہ المواخذات فی کتاب سماہ الفلک الدائر علی المثل السائر۔ فلما اکملہ وقف علیہ موفق الدین ابو المعالی احمد یدعی القاسم ایضاً فکتب الی اخیہ المذکور قولہ ؎ المثل السائر یا سیدی ÷ صنفت فیہ الفلک الدائر ÷ لکن ھذا الفلک دائراً ÷ تصیر فیہ المثل السائرا ÷ وکانت

وولادة عز الدين المذكور بالمداين يوم السبت مستهل ذي الحجة سنة ثمانين
وخمسمائة وتوفي في بغداد سنة خمس وخمسين وستمائة وتوفي اخوه موفق
الدين المذكور ببغداد في سنة ست وخمسين بعد ان اخذها التتر بقليل
وكانا فقيهين اديبين فاضلين لهما اشعار مليحة ومولد الموفق المذكور في
جمادي الآخرة وقيل في شهر ربيع الاول سنة تسعين وخمسمائة بالمدائن صلاح الدين
صفدي فوات الوفيات عبد الحميد بن هبة الله محمد بن محمد بن ابي الحديد عز الدين المدائني
المعتزلي الفقيه الشاعر اخو موفق الدين ولد سنة ست وثمانين وخمسمائة وتوفي
سنة خمس وخمسين وستمائة وهو معدود في اعيان الشعراء وله ديوان شعر مشهور
روى عنه الدمياطي ومن تصانيفه الفلك الدائر على المثل السائر صنفه في ثلاثة
عشر يوما وكتب اليه اخوه موفق الدين في المثل السائر يا سيدي + صنفت
فيه الفلك الدائر + لكن هذا فلك دائرا + اصبحت فيه المثل السائرا + ونظم فصيح
ثعلب في يوم وليلة وشرح نهج البلاغة في عشرين مجلد اوله تعليقات على كتاب
المحصل والمحصول للامام فخر الدين الخ۔

علامہ ابن خلکان ۔ ضیاء الدین کے حالات میں لکھتے ہیں کہ ان کے تصنیفات سے کتاب
مثل السائر فی ادب الکاتب والشاعر ہے جسے دو جلدوں میں لکھا اور فن کتابت کے متعلق جتنی
باتیں تھیں سبکو اسمیں جمع کیا جب وہ کتاب بغداد میں پہونچی تو فقیہ ادیب عز الدین ابو حامد عبد الحمید
بن ہبۃ اللہ بن محمد بن حسین بن ابی الحدید مدائنی اسکی رد اور اعتراض کرنے پر آمادہ ہوئے۔ ان کل
اعتراضوں کو ایک کتاب میں جمع کیا جس کا نام الفلک الدائر علی المثل السائر ہے جب عز الدین
کے بھائی موفق الدین ابو المعالی احمد مشہور بہ قاسم اس کتاب پر مطلع ہوئے تو ایک قطعہ میں اس کتاب
کی تعریف لکھکر اپنے بھائی ضیاء الدین کو بھیجا جس میں فلک دائر کی عظمت وجلالت قدر کو واضح طور پر
بیان کیا ہے عز الدین ابن ابی الحدید کی ولادت روز شنبہ یکم ذی الحجہ ۵۸۶ھ ہے بمقام مدائن اور
وفات بغداد میں ہے ۶۵۵ھ۔ اور ان کے بھائی موفق الدین کی ۶۵۶ھ میں جبکہ تاتاریوں نے بغداد پر
قبضہ پایا اسکے کچھ دنوں بعد دونوں بھائی بڑے فقیہ اور ادیب تھے اور فاضل تھے اشعار ان کے

بہت ملیح ہیں اسی مضمون کو علامہ صلاح الدین صفدی نے بھی کتاب فوات الوفیات میں باختصار لکھا ہے اور کمال الدین عبد الرزاق بن احمد بن ابی المعالی الشیبانی الفوطی :. کتاب مجمع الاداب فی معجم الالقاب لکھتے ہیں عز الدین عبد الحمید بن ابی الحسین هبة الله بن محمد بن محمد بن ابی الحديد المدائنی الحکیم الاصولی وکان من اعیان العلماء الافاضل واکابر الصدور الاماثل حکیما فاضلا کاملا عارفا باصول الکلام یذهب مذهب المعتزلة وخدم فی الولايات الديوانية والقدم السلطانية وكان مولده فی غرة ذی الحجة سنة ست وثمانين وخمسمائه واشتغل وحصل وصنف والف فمن تصانيفه شرح نهج البلاغة عشرون مجلدا وقد احتوى هذا الشرح على ما لا يحتوى كتاب من جنسه صنفه لخزانة كتب الوزير مويد الدين محمد بن العلقمی رحمة الله علیه ولما فرغ من تصنيفه انفذه على يد اخيه موفق الدين ابی المعالی فبعث له بالف دينار الذهب وخلعة سنية وفرس مع سرج بحبة فكتب الى الوزير ؎

ايا رب العباد رفعت ضبعي	فطلت بمنكبي وبللت ريقي
وزيغ الاشعري كشفت عني	فلم اسلك بنيات الطريق
احب الاعتزال وناصريه	ذوي الالباب في النظر الدقيق
فاهل العدل والتوحيد اهلي	نعم وفريقهم ابدا فريقي
وشرح النهج لم ادركه الا	بعونك بعد مجهدة وضيق
تمثل اذ بدأت به لعيني	اشم كذروة الطود السحيق
فتم بحسن عونك وهو ناء	من العيوق او بيض الانوق
بال العلقمي وردت نادي	وقامت بين اهل الفضل سوقي
فكم ثوب انيق نلت منهم	ونلت بهم طرف عتيق
ادام الله دولتهم وانحى	على اعدائهم بالخنفقيق

ومن تصانيفه ايضا كتاب العبقري الحسان وهو كتاب غريب الوضع قد اختار فيه قطعه وافرة من الكلام والتواريخ والاشعار واودعه شيئا من انشائه

و رسالاته ومنظوماته ومن تصانیفه کتاب الاعتبار علی کتاب الذریعة فی اصول الشریعة للسید المرتضیٰ وھو ثلث مجلدات ومنھا کتاب الفلک الدائر علی المثل السائر لابن اثیر الجزری ومنھا کتاب شرح المحصل للامام فخر الدین وھو یجری مجری النقض ومنھا کتاب نقض المحصول فی علم الاصول للامام فخر الدین۔

کمال الدین لکھتے ہین عزالدین عبدالحمید بن ابی الحدید مدائنی حکیم اصولی ہین مشاہیر علما، افاضل سے تھے اور اکابر صدور اماثل سے حکیم فاضل کاتب کامل تھے اور عارف باصول علم کلام۔ معتزلی المذہب تھے شاہی دیوان خانون مین خدمت کئے ہوئے تھے ولادت ان کی غرہ ذیحجہ ۵۸۶ھ کو ہوئی بمقام مدائن بعدہ مشغول تحصیل علم ہوئے پھر تصنیف و تالیف کی طرف متوجہ ہوئے اُن کے تصنیفات سے ہے شرح نہج البلاغة جو بیس جلدون مین ہے اور یہ شرح ایسے تحقیقات پر مشتمل ہے کہ دوسری کوئی کتاب اسکے مماثل نہین۔ تصنیف اسکی خزانہ کتب وزیر علقمی رحمہ اللہ کے لئے ہوئی تھی اسکے انعام مین وزیر نے ہزار اشرفی اور خلعت عنایت کیا جسکا شکریہ اُنھون نے ایک عزبی قصیدہ کے ذریعہ سے ادا کیا۔

ان کے تصنیفات سے کتاب عبقری حسان بھی ہے جو نہایت ہی عجیب و غریب کتاب ہے ازانجملہ اُن تصانیف کے ایک کتاب الاعتبار ہے جو سید مرتضیٰ علیہ الرحمہ کے کتاب الذریعہ فی اصول الشریعہ پر ہے یہ کتاب تین جلدون مین ہے اور ایک کتاب الفلک الدائر علی المثل السائر ہے اور ایک کتاب شرح المحصل جسمین امام فخر رازی کی رد لکھا ہے اور نیز نقض المحصول فی علم الاصول ہے جو امام فخر رازی کے رد مین لکھا۔

احتجاج علماء اھلسنۃ

یہان تک تو بالاجمال فضائل و مناقب علامہ ابن ابی الحدید تھے جس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ کس پایہ کا عالم ہے اور کیسے کیسے علمانے اُن کے فضل و کمال اور تحقیقات کا اعتراف کیا ہے جسکے ساتھ اُسکا بھی لکھا کہ نہج البلاغة کی شرح بیس جلدون مین لکھی جسکی مثل و نظیر دوسری کتاب نہین ہوئی اب اسکو بھی ملاحظہ فرمائی کہ کیسے کیسے علماء اہلسنۃ اور اہلحدیث نے ان ابن ابی الحدید کے

اقوال سے استدلال کیا ہے اور اپنی جگہ پر ان کے تحقیقات سے سند لائے ہین جس سے آپ انکی عظمت وجلالت قدر کا بخوبی اندازہ کر سکتے ہین علامہ فضل بن روزبہان جن کی تحقیقات پر تمامی علماء متکلمین بعد نے فخر ومباہات کیا ہے اور نہایت عزت سے اُن کا نام لکھتے ہین وہ اپنی کتاب ابطال الباطل مین لکھتے ہین جو بجواب احقاق الحق علامہ حلی علیہ الرحمہ لکھی گئی۔

واما ذکران معاویۃ ادعی اخاہ زیاد فتفصیلہ نقل الروایۃ ما ذکرہ المورخون وذکرہ ابن ابی الحدید فی شرح نہج البلاغۃ وذکرہ ابن الجوزی فی تاریخہ ان زیاد اولد علی فراش عبید الثقفی الخ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ فضل بن روزبہان نے ابن ابی الحدید کو ابن الجوزی کے پہلو بہ پہلو ذکر کیا اور اُن کے کلام سے سند لائے حالانکہ فضل مذکور علماء متکلمین سے ہین جو معتزلہ کے دشمن جانی ہین مگر ابن ابی الحدید کی تحقیقات ایسے درجہ عالیہ پر فائز ہے کہ فضل بن روزبہان اس سے سند لائے اور علامہ محمد بن سمعیل بن صلاح الامیر روضہ ندیہ شرح تحفہ علویہ مین بذیل ذکر کتاب امیر علیہ السلام بنام حارث اعور لکھتے ہین قال العلامہ ابن ابی الحدید لقد اشتمل ھذا الفصل علی وصایا جلیلۃ الموقع منہا قولہ وتمسک بحبل القران جاء فی الخبر المرفوع لما ذکر الثقلین فقال احدھما کتاب اللہ جبل ممدود من السماء الی الارض طرف بید اللہ وطرف بایدیکم الخ اس جملہ مین ہمارا مقصود صرف اسی جملہ سے ہے کہ علامہ محمد بن سمعیل وزیر نے علامہ ابن ابی الحدید کے قول سے استدلال کیا ہے اور بلقب علامہ یاد کیا پس اگر شیعہ اسی ابن ابی الحدید کے اقوال یا روایات سے بمقابلہ اہلسنۃ استدلال کرین تو کسیطرح وہ یہ کہکر نہین ٹال سکتے کہ یہ عالم معتزلی کی روایت ہے ہم اسکے پابند نہین ہو سکتے کیونکہ جب وہ لوگ باخود اہین اُن کے اقوال وروایات سے استدلال کرتے ہین تو شیعون کی حجت انپر تمام ہوئی۔

اب کچھ ان علامہ محمد بن سمعیل بن صلاح الامر کے حالات بھی ملاحظہ فرمائی جو علامہ ابن ابی الحدید کے اقوال سے استدلال کرتے ہین اور بہ لفظ علامہ اُن کو یاد کرتے ہین۔ نواب صدیق حسن خان ابجد العلوم مین لکھتے ہین السید العلامہ بدر الملۃ المنیر المؤید باللہ محمد بن الامام المتوکل علی اللہ سمعیل بن صلاح الامیر الصنعانی الیمنی وھو الامام الکبیر المحدث الاصولی المتکلم الشہیر قرأ کتب الحدیث وبرع

بهاوكان اماما فى الزهد والورع يعتقده العامة والخاصة ويأتونه بالنذور فيردها
ويقول ان قبولها تقرير لهم على اعتقادهم انه من الصالحين وهو يخاف انه من
الهالكين حكى بعض اولاده انه قرء وهو يصلى بالناس صلوة الصبح هل اتاك
حديث الغاشية فبكى وغشى عليه وكان والده ولى الله بلا نزاع من اكابر الائمة
اهل الزهد والورع استوى عنده الذهب والحجر وخلف اولادا هم اعيان العلماء
والحكماء اعظمهم ولده هذا قال الشيخ احمد بن عبد القادر الحفظى الشافعى فى ذخيرة
الامال فى شرح عقد جواهر اللآل الامام السيد المجتهد الشهير المحدث الكبير
السراج المنير محمد بن اسمعيل الامير مستند الديار ومجدد الدين فى الاقطار صنف
اكثر من مائة مولف وهو لا ينسب الى مذهب بل مذهبه الحديث قال اخذ من
علماء الحرمين واستجاز منهم وارتبط باسانيدهم وقرء على الشيخ عبد الخالق بن
الزين المزجاجى والشيخ عليه واستجاز منه واسند عنه مع تمكنه من علوم الال
وتاصله انتهى على ما نقله السيد حامد حسين المعاصر فى كتابه عبقات الانوار
فى امامة الائمة الاطهار ومن شيوخه الشيخ عبد القادر بن على البدرى والشيخ
محمد طاهر بن ابراهيم الكردى والشيخ سالم بن عبد الله البصرى وغيرهم وتلمذ عليه
ايضا خلق كثير منهم الشيخ عبد الخالق المزجاجى الزبيدى وهو ايضا استاذه
كما تقدم وايضا ولده السيد العلامة عبد الله بن محمد الامير وغيرهما له مصنفات
جليلة ممتعة تنبئ عن سعة علمه وغزارة اطلاعه على العلوم النقلية والعقلية
وكان ذا علم كبير ورياسة عالية وله فى النظم اليد الطولى بلغ رتبة الاجتهاد
المطلق ولم يقلد احدا من اهل المذاهب وصار اماما كاملا مكملا بنفسه وقد
من الله تعالى على باكثر مصنفاته وهى ازيد من ان تذكر منها سبل السلام شرح بلوغ
المرام وهو عندى بخط ولده السيد عبد الله وفيه خطه الشريف ايضا ومنها
منحة الغفار حاشية ضوء النهار واسبال المطر على قصب السكر وجمع التشتيت
فى شرح ابيات التثبيت وتوضيح الافكار فى شرح تنقيح الانظار الى غير ذلك

من الرسائل والمسائل التی لا تحصی وکلها فریدة فی بابها خطیب فی محرابها هاج وزار واستفاد من علماء الحرمین الشریفین وغیرهم من فضلاء الامصار فهو اکرم من ان یصفه مثلی وقفت له علی قصائد بدیعة ونظم رائق وکان له صولة فی الصدع بالحق واتباع السنة وترك البدعة لم یر مثله فی هذا الامر وهو من مشائخی فی سند الکتب الحدیثیة علی ما صرحت به فی سلسلة العسجد من ذکر مشائخ السند وقد ذکرت له ترجمة فی کتابی اتحاف النبلاء ونقلها عنه السید المعاصر حامد حسین فی العبقات علی تشیعه فلا نطول الکلام ههنا بذکر ذلك الاملاء توفی رح فی سنة ۱۲۵۰ وخرج فی زمانه الشیخ محمد بن عبد الوهاب النجدی الذی تنسب الیه الطائفة الوهابیة فنظم قصیدة فی ذلك وارسلها الیه واثنی علی طریقته ثم لما سمع انه یکفر اهل الارض ویسفك الدماء رجع عما کان قاله فی قصیدته کما سیاتی ذلك مفصلا فی ترجمة محمد بن عبد الوهاب وکان له اولاد صلحاء تقدم تراجمهم فی هذا الکتاب وقد اثنی علیه ولده السید عبد الله فی اجازة کتبها للشیخ المحدث شیخنا عبد الحق بن فضل الله المحمدی الهندی المتوفی بمنی سنة الف ومائتین وثمان وثمانین الهجریة القدسیة قال فیه سمع منی حصة من صحیح الامام البخاری وقد من الله علی بالمثول بین یدی أئمة السنة النبویة والسماع منهم للاثار والاحادیث المصطفویة منهم والدی وشیخی ناصر السنة مجدد المائة الحادیة عشر رضی الله عنه الخ والشیخ عبد الحق المحمدی قد تلمذ علی شیخ شیوخنا الشوکانی وکتب له اجازة بخطه الشریف یقول فیها انی اجزت للشیخ العلامة ابی الفضل عبد الحق بن الشیخ العلامة محمد فضل الله المحمدی الهندی کثر الله تعالی بمنه وکرمه فوائده ونفع بمعارفه ما اشتمل علیه هذا الثبت الذی جمعته وسمیته اتحاف الاکابر باسناد الدفاتر فلیرو عنی ما اشتمل علیه من کتب الاسلام علی اختلاف انواعها کما یراه فیه وهو اهل لما هنالك ولم اشترط علیه شرطا فهو اجل من ذلك ولی علی حرر یوم الجمعة بتاریخ (۱۰) جمادی الاخرة سنة ۱۲۳۸ کتبه محمد بن علی الشوکانی انتهی وقد اتحفنی شیخ

عبد الحق بکتاب شیخہ الشوکانی اتحاف الاکابر باسناد الدفاتر ولی اسانید اُخری الی الشوکانی کمایلوح من الحطة واتحاف النبلاء وسلسلة العسجد ولله الحمد والمنة صفحہ ۸۶

اس طولانی عبارت سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ علامہ محمد بن صلاح الدین امیر اہلسنتہ کے یہان کس پایہ کے عالم ہین کہ بہ لقب سید علامہ۔ بدر الملة المنیر مؤید باللہ امام کبیر محدث اصولی متکلم مسند الدیار مجدد دین مجتہد مطلق یاد کئے جاتے ہین اور اقطار عالم اُن کے تبحر علوم و وسعت نظر و ریاست مذہب پر گواہ ہین۔ پس ایسا عالم بلکہ امام علامہ ابن ابی الحدید کے اقوال سے استدلال کرے اور بطور سند پیش کرے اور ملقب علامہ یاد کرے تو پھر کس سنی کو اُن کے منقولات و روایات مین عذر ہو سکتا ہے

اس عبارت سے جہان علامہ محمد بن صلاح الدین کے امامت کا آپ کو علم حاصل ہوا اور ابن ابی الحدید کے مستند فی النقل ہونیکا۔ وہان کتاب مستطاب عبقات الانوار فی امامة الائمة الاطہار کی عظمت بھی آپ کو معلوم ہو ہی کہ اُسکے احسان کے زیر بار صرف علماء شیعہ ہی نہین ہین بلکہ علماء اہلسنتہ خصوصاً اہلحدیث جو مدعی اناو لا غیری ہین اُسکے ویسی ہی ذلہ خوار ہین کہ اپنے مذہبی کتابون مین بلکہ کتب رجال مین جسپر تمامی فن حدیث کا دارومدار ہے ایسا اُسپر اعتماد کرتے ہین کہ بلاکسی قسم کے تردد و انکار کے اُس سے نقل کرتے ہین اور سند لاتے ہین فجزی اللہ مصنفہ العلامہ عن الاسلام احسن الجزاء فانہ احسن بالنبی واٰلہ البررة الاتقیاءؑ!

اب چونکہ سلسلہ کلام یہانتک پہونچ چکا لہٰذا یہ بتا دینا بھی مناسب ہے کہ درمیان اشاعرہ جو اس زمانے مین اہلسنتہ کہلاتے ہین اور درمیان معتزلہ جنکے نام سے بمقابلہ شیعہ نفرت ظاہر کی جاتی ہے کیا فرق ہے کیونکہ توحید و رسالت و خلافت خلفا و امامت ائمہ اربعہ مین سب مساوی ہین حدیث فقہ اصول فقہ سب کے ایک ہین اقرار حقیت خلفائے ثلثہ مین سب ایک ہین شیعون کی عداوت مین سب ایک ہین۔ باخود ہا مین ویسا ہی اختلاف ہے جیسا کہ ایک عالم کو دوسرے عالم سے جزئیات مین اختلاف ہوتا ہی اور اپنے اپنے عقل کے زور سے لڑتے ہین۔

علامہ شہرستانی ملل نحل مین لکھتے ہین کہ تمامی معتزلہ کا اتفاقی عقیدہ یہ ہے۔

اولاً صفات خداوند عالم عین ذات ہے نہ زائد بر ذات عالم لذاتہ ہے قادر لذاتہ۔ حی لذاتہ۔ اشاعرہ یعنی اہلسنتہ اسکے مخالف ہین وہ کہتے ہین صفات اُسکے زائد بر ذات ہین یعنی علم جب اُسمین ملا تب وہ عالم ہوا

جب حیات خدا کو ملی تب وہ حی ہوا۔ لا یقال ہے ہو و لا غیرہ و لا لا ہو و لا لا غیرہ کہ نہی کہا جا سکتا ہے۔ کہ صفت عین ذات خدا ہے یا اُسکا غیر نہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ عین ذات نہین ہے اور غیر ذات نہین ہے اسی پر امام فخر رازی کہتے ہین کہ نصاری تو تین قدیم کے قائل ہین لہذا وہ کافر ہوئے اور اشاعرہ نو قدیم کے قائل ہین۔

(۲) کلام خدا حادث ہے اور مخلوق فی المحل حروف صوت وغیرہ جسکی نقل مصحف وغیرہ مین کیجاتی ہے یہ سب حادث ہے۔ اشاعرہ اسکے قائل ہین کہ کل کلام خدا قدیم ہے یہانتک کہ قرآن کا کاغذ اور جلد اور روشنائی اور قلم سب قدیم ہین جیسے خدا موجود ہے یہ بھی موجود ہے۔
یہ بحث اگرچہ آجکل مضحکہ خیز معلوم ہوتی ہے مگر ابتدائے زمانہ مین اسنے ہزارون کی خونریزی کی جس سے ہزارون گھر تباہ ہوئے اور ہزارون علما جاہل بلکہ کافر بنائے گئے یہانتک کہ امام بخاری اسی مسئلہ کے بدولت بخارا سے نکالے گئے اور عجب وحشت خیز سمان رہا۔

(۳) ارادہ سمع بصر معانی قائمہ بذات خدا نہین۔ اہلسنۃ اسکو قائم بذات جانتے ہین اسیوجہ سے خدا کو فاعل خیر و شر مانتے ہین۔

(۴) رویت خداوند عالم آنکھ سے جیساکہ دنیا مین محال ہے ویسا ہی آخرت مین بھی محال ہے اہلسنت آخرت مین بلکہ دنیا مین جائز اور ضروری جانتے ہین۔

(۵) خداوند عالم شبیہ سے ہر طرح مبرا ہے جہتہً مکاناً۔ صورۃً جسماً تحیزاً انتقالاً زوالاً تغیراً تاثراً کوئی صفت جو لوازم جسمیت سے ہے خداوند عالم مین نہین پائی جاتی اہلسنۃ اسکے بالکل خلاف ہین جسمیت جہت مکان سبکے قائل ہین یہانتک کہ امام ابن تیمیہ نے منبر کے ایک زینہ سے اوتر کر دوسرے زینہ پر بتایا کہ اسی طرح خدا بھی ایک آسمان سے دوسرے آسمان پر اوترآتا ہے اور جس طرح قرآن مین یا حدیث مین الفاظ ید رجل ساق۔ صدر۔ صورت وارد ہے اسی طرح ایمان لانا اُن کے نزدیک واجب ہے۔

(۶) معتزلہ قائل ہین کہ بندے اپنے افعال و اعمال مین فاعل مختار ہین چاہے شر کو اختیار کرین یا خیر کو خدا نے کسی کو مجبور نہین کیا ہے ورنہ اُسکا ظلم لازم آتا ہے اہلسنۃ ہر امر مین بندے کو مجبور مانتے ہین اور فاعل خیر و شر خدا کو جانتے ہین۔

(۷) خدا حکیم ہے جو فعل اُسکا ہے وہ مطابق حکمت و مصلحت ہے اہلسنۃ اسکے خلاف ہین نہ حکمت کو مانتے نہ مصلحت کو

(۸) معتزلہ کہتے ہین کہ استحقاق ثواب طاعت و عمل پر ہے اگر با توبہ و با ایمان دنیا سے گیا ثواب پائیگا ورنہ عذاب کا مستحق ہوگا مگر مومن ہمیشہ جہنم مین نہ رہیگا۔ اہلسنۃ اسکے خلاف ہین ثواب و عذاب کو تابع عمل نہین جانے بلکہ جسکو چاہے خدا جہنم مین ڈالدے جسکو چاہے ثواب دے۔

(۹) معتزلہ قائل ہین کہ حسن و قبح اشیا عقلی ہے اسی بنیاد پر اصول معرفت و شکر نعمت ہر شخص پر واجب ہے اہلسنۃ اسکے خلاف قائل ہین کہ حسن و قبح اشیا تابع شریعت ہے نہ کہ عقل سے دریافت ہو سکے۔ صفحہ ۱۳ ذکر معتزلہ صفحہ ۵، ذکر اشاعرہ

یہی نو اصول ہین اتفاقی تمامی معتزلہ کے جسکے خلاف اہلسنۃ قائل ہین اور اسی مخالفت کے بنیاد پر جہان ـــ کسی معتزلہ عالم کا قول یا اسکی روایت نقل کی جاتی ہے تو اہلسنۃ جو کنا ہوتے ہین اور بھیانک ڈراونے الفاظ سے کہا جاتا ہے کہ یہ روایت تو معتزلی کی ہے حالانکہ خاص معتزلہ کی کوئی کتاب حدیث کی ہے نہ فقہ کی بلکہ انہین صحاح ستہ پر اُن کا بھی عمل ہے اور انہین ائمہ اربعہ کے وہ بھی مقلد ہین صرف ان مسائل جزئیہ مین وہ تمام اہلسنۃ کے مخالف ہین۔ بلکہ خود اہلسنۃ نے اُن کے خلاف پر اپنا مذہب قائم کیا کیونکہ ابتدا مین سب انھین معتزلہ کے پیرو تھے سنہ ۳۰۴ھ سے ابوالحسن اشعری نے یہ بنا مذہب قائم کیا جو اشاعرہ کہلاتا ہے اور اہلسنۃ ورنہ سب اُنھین معتزلہ کے شاگرد در شاگرد ہین۔

اہلسنۃ اگرچہ بمقابلہ شیعہ معتزلہ کو بُرا کہتے ہین یا کسی قول و روایت کے پابندی سے انکار کیا چاہتے ہین مگر ہر عاقل سمجھ سکتا ہے کہ ان کل مسائل مین اہلسنۃ خطا پر ہین اور معتزلہ بہ نسبت اُن کے حق پر ہین۔ یہی وجہ ہے کہ عام طور سے علما، اہلسنۃ کو اسکا اقرار کرنا پڑا کہ اصول معتزلہ بہتر ہین اصول اشاعرہ سے چنانچہ علامہ صلاح الدین خلیل بن ایبک صفدی وافی بالوفیات مین بذیل ترجمہ محمد بن علی بن طیب ابوالحسین معتزلی المتوفی سنہ ۴۳۶ھ لکھتے ہین قال ابن خلکان ان الامام فخرالدین اخذ کتابہ المحصول فی اصول الفقہ من کتاب المعتمد لابی الحسین قلت وقد سمعت الشیخ الامام العلامۃ تقی الدین احمد بن تیمیہ غیر مرۃ یقول اصول فقہ المعتزلۃ خیر من اصول فقہ الاشاعرۃ واصول دین الاشاعرۃ خیر من اصول دین المعتزلۃ وتوفی سنۃ ست وثلثین واربعمائۃ وصلے علیہ القاضی ابو عبداللہ الصیمری ودفن فی مقبرۃ الشونیزی۔ اس عبارت سے بصراحت معلوم ہوا کہ امام فخرالدین رازی نے اپنی کتاب محصول جو اصول فقہ مین لکھی ہے تو وہ تمامتر

کتاب معتمد ابوالحسین معتزلی سے ماخوذ ہے بلکہ بقول شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ اصول فقہ معتزلہ بہتر ہے اصول فقہ اشاعرہ سے تو پھر کس منہ سے اہلسنت اسپر اعتراض کر سکتے ہیں کہ معتزلہ کے اقوال سے بمقابلہ اہلسنت استدلال کیا جاتا ہے اور خود امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں اپنی کتاب منہاج السنۃ میں۔

وهذا الكلام وان كان اصله من المعتزلة فقد دخل فى كلام المثبتين للصفات حتى فى كلام المنتسبين الى السنة الخاصة المنتسبين الى الحديث والسنة وهو موجود فى كلام كثير من اصحاب مالك والشافعى واحمد وابى حنيفة وغيرهم وهذا من الكلام الذى بقى على الاشعرى من بقايا كلام المعتزلة فانه خالف المعتزلة لما رجع عن مذهبهم فى اصولهم التى اشتهروا فيها بمخالفة السنة كاثبات الصفات والروية وان القران غير مخلوق واثبات القدر وغير ذلك من مقالات اهل السنة والحديث وذكر فى كتابه المقالات انه يقول بما ذكره عن اهل السنة والحديث وذكر فى الابانة انه ياتم بقول الامام احمد وقال فانه الامام الكامل والرئيس الفاضل الذى ابان الله به الحق واوضح به المنهاج وقمع به بدع المبتدعين وزيغ الزائغين وشك الشاكين وقال ان قال قائل قد انكرتم قول الجهمية والمعتزلة والمرجئة واحتج فى ضمن ذلك بمقدمات سلمها المعتزلة مثل هذا الكلام فصارت المعتزلة وغيرهم من اهل الكلام يقولون انه متناقض فى ذلك وكذلك سائر اهل السنة والحديث يقولون ان هذا تناقض وان هذا بقية بقيت عليه من كلام المعتزلة واصل ذلك هو هذا الكلام وهو موجود فى كلام كثير من اصحاب احمد والشافعى ومالك وكثير من هؤلاء يخالف الاشعرى فى مسائل وقد وافقه على الاصل الذى يرجع اليه تلك المسائل فيقول الناس فى تناقضه كما قالوه فى تناقض الاشعرى وكما قالوه فى تناقض المعتزلة وتناقض الفلاسفة فما من طائفة فيها نوع يسير من مخالفة السنة المحضة والحديث الا ويوجد فى كلامها من التناقض بحسب ذلك واعظمهم تناقضا ابعدهم عن السنة كالفلاسفة ثم المعتزلة والرافضة فلما اعتقد هؤلاء انهم اثبتوا بهذا الدليل حدوث الجسم لزم انتفاء ذلك

عن الله تعالی لان الله قد یر لیس بحدث فقالت المعتزلة اذا قامت به الصفات
فهو جسم لان الصفات اعراض والعرض لا تقوم الا بجسم فنفت الصفات ونفت
ایضاً قیام الافعال الاختیاریة به لانها اعراض ولانها حوادث فقالت القرآن
مخلوق لان القرآن کلام وهو عرض ولانه یفتقر الی الحرکه وهی حادثه فلا تقوم
الا بجسم وقالت ایضاً انه لا یری فی الآخرة لان العین لا تری الا جسما او قائما بجسم
وقالت لیس هو فوق العالم لان ذلک مکان والمکان لا یکون فیه الا جسم او ما یقوم بجسم
وهذا هو المذهب الذی ذکره هذا الامامی ۔ اس عبارت سے بخوبی ظاہر ہوا کہ جتنے
لوگ پیروان ائمہ اربعہ سے نفی جسمیت خداوند عالم کے قائل ہین یا استدلال کرتے ہین وہ سب
مقلد اور پیرو ہین معتزلہ کے جسکے مرجی مطلب یہ ہوئے کہ اگر علما، اہلسنۃ تقلید مذہب معتزلہ سے
بالکل دست بردار ہو جائین تو کسی طرح وہ خداوند کریم کی جسمیت سے نہ انکار کر سکتے ہین نہ اسکا ابطال
بلکہ ابتدا اس نفی جسمیت خدا کی انہین معتزلہ سے ہے جنکا کلام داخل ہو گیا ہے اُن لوگون مین بھی
جو صفت خدا کو زائد بر ذات جانتے ہین کہ وہ خاص اہلسنۃ بلکہ خاص اہلحدیث ہین ۔ بلکہ لکھتے ہین یہ بقایا
کلام معتزلہ سے ہے جو اہلسنۃ کے ذمہ باقی رہ گیا اور سبکدوش نہو سکے کیونکہ جب اہلسنۃ نے مذہب
معتزلہ سے رجوع کیا اُن کے مقالات مخصوصہ سے جو مشہور تھے اُن مین اور کتاب مقالات مین
کہا ہے کہ وہ یعنی ابو الحسن اشعری قائل تھے شائد اُن عقائد کے جو اہلسنۃ و اہلحدیث کے عقائد ہین
اور ابانہ مین ہے کہ وہ پیرو تھے امام احمد کے جو امام کامل ہین اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ تم قول جہمی و معتزلی
کے تو مخالف ہو مگر اُن کے مقدمات کو قبول کرتے ہو جس سے معتزلہ وغیرہ کہتے ہین کہ اشاعرہ کے
قول مین تناقض ہے بلکہ اہلسنۃ اور اہلحدیث بھی اس تناقض کے قائل ہین اور یہ کہ یہ بقیہ ہے
کلام معتزلہ کا اور اصل ان سب کی موجود ہے کلام پیروان امام احمد و شافعی و مالک وغیرہ مین جو سب
مخالفت کرتے ہین اشعری سے حالانکہ اصل مسئلہ مین سب موافق ہین ۔ تو اسکا جواب یہ ہو کہ بیشک
اشاعرہ کا تناقض ایسا ہی ہے اور معتزلہ بلکہ فلاسفر مین بھی تناقض ہے بلکہ جس طائفہ کو لوگ ائمہ سمجھین
کچھ نہ کچھ تناقض ضرور ہے ۔ اور جس قدر تناقض زیادہ ہوگا اُسیقدر سنت سے خلاف زیادہ ہوگا
مثل فلاسفہ کے اُن کے بعد رافضیہ (جس سے معلوم ہوا کہ شیعون کے اقوال مین سب سے کم تناقض ہے

لہذا مخالفت سنت میں بھی ان کا حصہ بہت کم ہے ۔

بہرحال اس عبارت سے جہاں اقوال اہلسنۃ کا متناقض ہونا ثابت ہوا وہاں یہ بھی بخوبی ظاہر ہوا کہ تمامی اہلسنۃ کا سہ لیس معتزلہ ہیں اور ابھی تک انکا بقیہ ان کے یہاں چلا جاتا ہے اور جب تک یہ لوگ جسمیت خداوند عالم سے انکار کرینگے تقلید معتزلہ کا بار انکے گردن سے الگ نہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابن تیمیہ اور ان کے پیرو جتنے اہلحدیث ہیں وہ سب جسمیت خدا کے قائل ہیں ۔

یہ تو اصول اہلسنۃ کا حال تھا اب فروع کو یعنی جسے علم فقہ بھی کہتے ہیں اُسمیں بھی یہ اوسی طرح معتزلہ کے ذلہ خوار ہیں۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب اپنے رسالہ انصاف میں فرماتے ہیں وجدت بعضھم یزعمان بناء المذھب علی ھذہ المحاورات الجدلیۃ المذکورۃ فی مبسوط السرخسی والھدایہ والتبیین ونحو ذلک ولا یعلم ان اول من اظھر ذلک منھم المعتزلۃ ولیس علیہ بناء مذھبھم ثم استطاب ذلک المتاخرون توسعا وتشحیذ الاذھان الطالبین اولغیر ذلک واللہ اعلم پس جب یہ اکابر اہلسنۃ مثل شمس الائمہ سرخسی اور صاحب ہدایہ ومولف تبیین وغیرہ جو کتب فقہ اہلسنۃ کی جان سمجھی جاتی ہیں معتزلہ کے ذلہ خوار ہوں اور انکی تقلید کو مایۂ فخر وناز سمجھیں جس سے یہی مباحث جدلیہ میں تحقیقات ہو تو شیعوں کا استدلال انہیں معتزلہ کے اقوال سے کیوں غلط ہوگا اور کیوں نہ وہ روایات واقوال قابل قبول ہوں گے ۔

اب اس سے بھی آگے قدم بڑھایئے تو خود فن رجال کے تحقیقات میں بھی جہاں علما اور محدثین کی توثیق یا قدح وجرح بیان کرتے ہیں اور یہی پر صحت وسقم روایت کا دارومدار ہے وہاں بھی ان علماء معتزلہ کے اقوال سے سند لاتے ہیں اور مثل دیگر علما کے اقوال کے انکی تحقیقات کو بھی ذکر کرتے ہیں دیکھئے علامہ ابن حجر عسقلانی امام ابو یوسف شاگرد امام ابو حنیفہ کے احوال میں لکھتے ہیں یعقوب بن ابراھیم القاضی عن عطاء بن السائب وھشام بن عروۃ قال الفلاس صدوق کثیر الخطاء وقال البخاری ترکوہ وقال عمرو الناقد صاحب سنۃ وقال ابو حاتم یکتب حدیثہ وقال المزنی ھو واسع الحدیث وقال محمود بن غیلان قلت لیزید بن ھارون ما تقول فی ابی یوسف فقال انا اروی عنہ وقال ابن راھویہ حدثنا یحیی بن آدم قال شھد ابو یوسف عند شریک فردہ وقال لا اقبل من یزعم ان الصلوۃ لیست من الایمان وقد روی عن ابن

معین تلیین ابی یوسف واما الطحاوی فقال سمعت ابراهیم ابن ابی داؤد البرلسی یقول سمعت یحیی بن معین یقول لیس فی اصحاب الرای اکثر حدیثا ولا اثبت من ابی یوسف وقال ابن عدی لیس فی اصحاب الرای اکثر حدیثا منه الا انه یروی عن الضعفاء مثل الحسن بن عمارۃ وغیرہ وکثیرا ما یخالف اصحابہ ویتبع الاثر واذا روی عنه ثقة وروی هو عن ثقة فلا باس به انتهی وقال النسائی فی کتاب الضعفاء لما ذکر اصحاب ابی حنیفة ابو یوسف ثقة وذکرہ ابن حبان فی الثقات وقال کان شیخا متقنا لم یسلک مسلک صاحبیه الا فی الفروع وکان یناسبهما فی الایمان والقرآن ونقل عن محمد ابن الصباح کان ابو یوسف یسلک مسلک صاحبیه فی الفروع وکان رجلا صالحا وکان یسرد الصوم وذکر العقیلی بسند صحیح عن ابن المبارک انه وهاہ وعن یزید ابن هارون لا تحل الروایة عنه کان یعطی اموال الیتامی مضاربة ویجعل الربح لنفسه یعنی انه کان یقترضها علی ذمته وعن الفضل بن عیاض وقیل له ما تقول فی علم ابی یوسف قال ای علم هو وقال الشیرازی فی الالقاب سمعت عبد الملک بن محمد السوائی یقول لما دفن ابو یوسف وقف النظام علی قبرہ فقال۔ ؎

سقی جدثا به یعقوب امسی — من الوسمی منبجس رکام

تلطف فی القیاس لنا فاضحت — حلالا بعد حرمتها المدام

ولو ان مدته نقصت — وعاجله بمنیته الحمام

لاعمل فی القیاس الفکر حتی — یحل لنا اللغز میدة والغلام

انتهی

اس عبارت سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ علامہ عسقلانی نے امام ابو یوسف کے حالات میں فلاس۔ امام بخاری۔ مزنی۔ محمود بن غیلان۔ یزید بن ہارون۔ یحیی بن معین۔ ابن عدی۔ امام نسائی۔ ابن حبان عقیلی وغیرہ ائمہ محدثین کے مختلف اقوال لکھے تھے کہ کوئی ان کو ثقہ جانتا ہے کوئی ان کو عادل کہتا ہے کوئی واہی بتاتا ہے۔ چنانچہ یزید بن ہارون کہتے ہیں کہ ابو یوسف کی حدیث کا روایت کرنا

حلال نہین کیونکہ وہ تیمیون کا مال بطور مضاربہ لوگون کو دیا کرتے اور جو کچھ اُس سے نفع ہوتا وہ خود لیتے وہان نظام معتزلی کے اشعار بھی لکھے کہ جب نظام قبر امام ابو یوسف پر آکر کھڑا ہوا تو چند اشعار کہے جسکا خلاصہ یہ ہی کہ انہون نے اس درجہ قیاس میں تلطف کیا کہ شراب کو جو ہمیشہ سے حرام تھی حلال کر دیا۔ اگر انکی مدت حیات تمام نہو جاتی تو ان کے قیاس اور فکر سے زنا اور لواطہ بھی ہم لوگون کے لئے حلال اور مباح ہو جاتے۔ پس جب ان علماے معتزلہ کی یہ قدر و منزلت ہی کہ تمام علمائے اہلسنت بکمال فخر و مباہات اصول دین اور فروع دین اور تحقیق رجال مین اُن کے مقلد ہین اور اُنکی اس تقلید پر نازان ہین اور ابتدا مین سب اُنہین کے مذہب پر تھے اور ان کا بقیہ ابھی تک ان مین چلا جاتا ہے۔ تو بمقابلہ شیعہ اُن کے اقوال اور روایات سے کیونکر انکار کر سکتے ہین حالانکہ صدہا خوارج و معتزلہ صحاح ستہ کی روایتون مین لکھے ہوئے ہین۔ بہرحال چونکہ اہلسنت عام طور پر عوام کے فریب دہی کے لئے کہدیا کرتے ہین کہ یہ عالم معتزلی ہے یا یہ قول یا یہ روایت معتزلہ کی ہے اسلئے اسقدر انکی حالت اور جلالت قدر یہان دکھائی گئی کہ کسی فن مین اہلسنت اُن کی تتبع اور شاگردی سے علحدہ نہین ہو سکتے اور اگر اُن کے اقوال و روایات ان کے مجموعہ سے نکالدیئے جائین تو پھر ان کا وجود ہی نہین رہتا ورنہ ہم آیندہ بتادینگے کہ جن اقوال یا روایات سے شیعہ بمقابلہ اہلسنت استدلال کرتے ہین اُسکے قایل یا راوی صرف معتزلہ نہین ہین بلکہ اہلسنت یعنی اشاعرہ کے اقوال و تصریحات ان ابواب مین کہین زیادہ ہین معتزلہ سے

شیخ ابو جعفر اسکافی

چونکہ علامہ ابن ابی الحدید نے جنکے حالات ابھی مذکور ہوئے۔ اکثر مقام پر شرح نہج البلاغہ مین اپنے اوستاد شیخ ابو جعفر اسکافی کے اقوال بھی نقل کئے ہین اور مقام استدلال مین لائے ہین لہذا مختصراً انکی جلالت قدر بھی ملاحظہ فرمایئے علامہ ابو سعید عبد الکریم سمعانی جو مشہور ائمہ اہلسنت سے ہین اپنی کتاب انساب مین لکھتے ہین ابو جعفر محمد بن عبد اللہ الاسکافی احد المتکلمین من معتزلہ البغدادیین لہ تصانیف معروفہ وکان الحسین بن علی الکرابیسی یتکلم معہ و یناظرہ و بلغنی انہ مات فی سنۃ اربعین ومأتین اور معجم البلدان حموی مین ہے محمد بن عبد اللہ ابو جعفر الاسکافی عداد فی اھل بغداد احد المتکلمین من المعتزلہ لہ تصانیف

وکان یناظر الحسین بن علی الکرابیسی ویتکلم معه مات فی سنة اربعة ومایتین
اور قاضی القضاة عبدالجبار معتزلی لکھتے ہیں جیسا کہ علامہ ابن ابی الحدید نے اپنی شرح نہج البلاغہ میں نقل
کیا ہے واما ابوجعفر الاسکافی فهو شیخنا محمد بن عبد الله الاسکافی عده قاضی القضاة
فی الطبقة السابعة من المعتزله مع عباد بن سلیمان الصمیری ومع زرقان ومع عیسی
بن الهیثم الصوفی وجعل اول الطبقة ثمامة بن اشرس ابا معن ثم ابا عثمان الجاحظ
ثم ابا موسی عیسی بن صبیح المرداد ثم ابا عمران یونس بن عمران ثم محمد بن شبیب ثم
محمد بن اسمعیل العسکری ثم عبد الکریم بن روح العسکری ثم ابا یعقوب یوسف بن عبد الله
الشحام ثم ابا الحسین الصالحی ثم صالح قبه ثم الجعفران بن جعفر بن جریر وجعفر بن میسر
ثم ابا عمران بن النقاش ثم ابا سعید احمد بن سعید الاسدی ثم عباد بن سلیمان ثم
ابا جعفر الاسکافی هذا وقال کان ابوجعفر فاضلا عالما وصنف سبعین کتابا فی علم
الکلام وهو الذی نقض کتاب العثمانیه علی ابن عثمن الجاحظ فی حیاته ودخل
الجاحظ الوراقین ببغداد فقال من هذا الغلام السوادی الذی بلغنی انه تعرض
لنقض کتابی وابوجعفر جالس فاختفی منه حتی لم یره وکان ابوجعفر یقول بالتفضیل
علی قاعدة معتزلة بغداد ویبالغ فی ذلک وکان علوی الرای محققا منصفا قلیل العصبیة
ان عبارتوں سے بخوبی ظاہر ہے کہ ابوجعفر اسکافی معتزلہ بغداد کے اماموں سے ہے جنکا شمار طبقہ سابعہ
میں ہے ستر کتابیں علم کلام میں انھوں نے تصنیف کی ہیں ابو عثمان جاحظ کے کتاب عثمانیہ کی انھوں نے
رد لکھی اُسکے زندگی میں۔ یہ بھی قایل تفضیل تھے مطابق قاعدہ معتزلہ بغداد کے علوی الرائے تھے۔
محقق ومنصف تھے اور قلیل التعصب۔

اب مختصر طور پر کچھ بقیہ شارحین نہج البلاغہ کا ذکر کیا جاتا ہے تاکہ یہ مقدمہ تمام ہو۔

شارح دوم علمای اہلسنت سے

قوام الدین یوسف بن حسن ہیں جیسا کہ کشف الظنون میں ہے بعد ذکر شرح ابن ابی الحدید وشرحه المولی
قوام الدین یوسف بن حسن الشهیر بقاضی بغداد المتوفی سنه ۹۲۲ اثنین وعشرین وتسعمائة۔

صفحہ ۲۰ یعنی مولا قوام الدین یوسف بن حسن شہیر بقاضی بغداد نے بھی اسکی شرح لکھی تھی چنانچہ مجمل حال ان کا اور اس شرح کا سابقاً مذکور ہوا دیکھو صفحہ ۱۰ کتاب ہذا شارح سوم علمای اہلسنت سے مفتی محمد عبدہ ہین جنکی شرح یا حاشیہ اصل کتاب کے ساتھ مصر مین چھپی ہے جو پیش نظر ہے اور اُسکے حواشی سے بہت کچھ اس ترجمہ اور شرح مین مدد لی گئی ہے بلکہ اصل عبارت اسکی عربی مین نقل کردیگی ہے معہ ترجمہ۔ اس حاشیہ مین بڑی خوبی یہ ہے کہ فریقین کے اختلافات تعصب آمیز سے بہت کچھ اجتناب کیا گیا ہے اور محض حل عبارت کتاب پر اکتفا کیا ہے۔

ذکر علمای شیعہ شارحین نہج البلاغہ

یہانتک علمائے اہلسنت کے شرحون کا ذکر تھا اب کچھ اُن شرحون کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جو علمائے شیعہ نے اس کتاب پر لکھے ہین جس کی تعداد لاتحصیٰ ہے کیونکہ یہ شروح کچھ ایک طور پر نہین لکھی گئین بعض نے تو مفصل شرحین لکھین مثل شرح ابن ابی الحدید کے کہ اصل عبارت کتاب کو پہلے لکھا پھر اُسکی شرح کی بعض نے شرح ممزوج لکھی بغیر اسکے کہ قال یا قولہ لکھا ہو بعض نے ایک خطبہ کی شرح لکھی اور بعض نے ایک ایک قول مین مبسوط رسائل لکھے جس سے شمار ان کل مصنفات کا نہایت عسیر ہے تاہم بعض شروح کا ذکر مجملاً کیا جاتا ہے تاکہ معلوم ہو ابتدا سے یہ کتاب کس نظر عظمت سے دیکھی گئی۔

(۱) سب سے پہلے جسنے اس کتاب مستطاب پر شرح لکھی وہ علامہ جلیل سید علی بن ناصر ہین معاصر سید رضی علیہ الرحمہ جنھون نے گویا اس کتاب کے جمع ہوتے ہی شرح لکھی نام اسکا اعلام نہج البلاغہ ہے۔ یہ شرح اگرچہ مختصر ہے مگر نہایت ہی قل و دل جامع مانع ہے چنانچہ کشف الحجب مین ہے، اعلام نہج البلاغہ للسید العلامہ علی بن ناصر المعاصر للسید رضی مصنف نہج البلاغہ وھو اقدم الشروح والحواشی التی علقت علیہ واوثقھا واتقنھا واخصرھا اولہ الحمدللہ الذی بخانا من مھاوی الغی وظلماتہ وھدانا سبیل الحق بآیاتہ آیاتہ الخ یہ شرح اگرچہ کمیاب ہے مگر لکھنؤ مین بعض نسخے اسکے موجود ہین اور علامہ علی بن ناصر اکابر علمائے شیعہ سے ہین جنکے اوصاف مستغنی عن الاوصاف ہین۔

(۲) علامہ قطب الدین راوندی شارح دوم یہ شرح بھی مختصر ہے اور نام اسکا منہاج البراعۃ ہے

ان المحاسن کلها فرع — وان المال فيها هو الاصل

پر سب نے مخالفت ظاہر کی اور لکھا کہ ایسا نہین ہے بلکہ اصل شے علم و کمال ہے جسپر اُنہون نے
ایک اُستاد کا یہ قطعہ لکھا۔

قد قال قوم بغير علم — ما المرء الا باكبريه
فقلت قول امرء حكيم — ما المرء الا بدرهميه
من لم يكن له درهم لديه — لم تلتفت عرسه اليه

اسکے بعد ابن قیم نے وہان کا سفر اختیار کیا اور فقیرانہ لباس مین وارد مجلس علما و کملا ہوئے۔ کسی نے التفات بھی نہ کیا یہ صف نعال مین بیٹھ گئے اور لوگون کے مذاکرہ علمیہ مین شریک رہے جس جس مسائل مین وہ لوگ عاجز آتے یہ جواب برجستہ فرماتے مگر بجز اسکے کہ طالب العلم کا ان کو خطاب ملے اور اور کسی قسم کی عزت و توقیر نہ ہوئی یہان تک کہ اُن لوگون نے کھانا بھی ساتھ ان کو نہ کھلایا بلکہ علٰحدہ دے دیا گیا دوسرے روز اُنھون نے بھی لباس بدلا اور خوب بڑا عمامہ سر پر رکھا اور لباس پُر تکلف زیب تن کیا۔ جب سب نے اس شان سے دیکھا خوب تعظیم کی اور صدر مجلس مین جگہ دی۔ اُنھون نے عمداً مہمل تقریرین شروع کین اور سب آمنا و صدقنا کہتے تھے اور ان کے بزرگداشت مین سر مو فرق نہ تھا جب دسترخوان چنا گیا اور کھانے بیٹھے تو اُنہون نے اپنی لانبی لانبی آستینون کو کھانا مین ڈبو دینا شروع کیا اور کہا اے آستین کھا تو اس کھانیکو تمام حضار نہایت متعجب ہوئے کہ یہ کیا معاملہ ہے تب ابن قیم نے جواب دیا کہ کل بھی ہم آئے تھے مگر لباس علما و فقرا مین — نہ تم لوگون نے تعظیم کی نہ احترام کیا۔ حالانکہ کیسے کلمات معرفت اور عالمانہ تقریر بھی تمہارے سامنے کی۔ اور آج جو ہم لباس مین جبارون کے آئے تو تم نے کس قدر تعظیم کی حالانکہ آج کی تقریر ہماری جاہلانہ تھی مگر تم سب نے قبول کیا۔ اب تو معلوم ہوا کہ اصل مال ہی ہے نہ علم ہے۔ کیونکہ جب ہم امیرانہ لباس مین آئے تو تم نے تعظیم کیا اور کل جو فقیرانہ لباس مین تھے کچھ قدر نہ کی۔ اب تو ہمارے اشعار کی بخوبی تصدیق ہوئی۔ سب سرنگون ہوئے اور اپنے خطا کا اعتراف کیا اور بہت کچھ معذرت کی۔ ہم جہانتک سمجھتے ہین۔ حکایت علامہ ابن قیم کی ان طلبا اور فضلا سے متعلق ہے جو ابھی درجہ کمال پر نہ فائز تھے ورنہ اگر علم و کمال کے ذریعے تزکیہ نفس ہوا ہوتا تو یہ حالت نہ پیش آتی وہ لوگ کلام سے متکلم کی قدر و منزلت پہچانتے ہین نہ لباس

وشان وشوکت ہے۔ مگر درحقیقت ایسے نفوس قدسیہ بہت کم ہوتے ہیں۔ زیادہ ظاہر میں ہیں جو ظاہری
وجاہت پر جاتے ہیں۔ مگر باطن اگر صاف نہیں ہے یا علم وکمال سے معرا ہے تو یہ سب ظاہرداری ہوا
ہو جاتی ہے اور صاحب باطن کا آخر غالب آتا جاتا ہے یہانتک کہ آخر میں وہی مسلم الثبوت ہو جاتا ہے
بہرحال ابن میثم علیہ الرحمہ کے مصنفات بہت ہیں تبرّکا چند کتابوں کا نام لکھا جاتا ہے علاوہ شرح
نہج البلاغہ کے شرح الاشارات حکمت میں کتاب القواعد علم کلام میں معراج سماوی علم کلام میں
بحر الخضر رسالہ فی الوحی والالہام شرح مائۃ کلمہ امیر المومنینؑ۔ کتاب النجاۃ فی القیامہ فی تحقیق امر
الامام استقصاء النظر فی امامۃ الائمۃ الاثنی عشر

بعض لوگوں نے کتاب الاستغاثہ فی بدع الثلثہ بھی انہیں کیطرف منسوب کیا ہے مگر یہ نسبت غلط ہے
بلکہ اوسکے مصنف کا نام علی بن احمد ابو القاسم کوفی ہے اور کتاب کا نام بدع محدثہ ہے جیسا کہ علامہ نجاشی نے
بھی لکھا ہے وفات انکی ۶۷۹ھ میں ہوئی ہے قریۂ دونج میں جو بلاد بحرین سے ہے مدفون ہوئے۔

معلوم ہوتا ہے کہ علامہ ابن میثم علیہ الرحمہ اور علامہ ابن ابی الحدید معاصر ہیں جس سے ایک کو دوسرے کی شرح
پر اطلاع نہیں ہوئی۔ اسیوجہ سے نہ ابن ابی الحدید نے کچھ ان کے کلام سے تعرض کیا نہ ابن میثم علیہ الرحمہ نے
اون کے کلام سے کیونکہ ابن ابی الحدید کی وفات ۶۵۵ھ ہے لہذا ممکن ہے وہ شرح انکو نہ ملی ہو۔ شرح
مذکور حسب مرضی شمس الدین محمد علقمی وزیر معتصم باللہ لکھی گئی اوسکے بعد خود ابن میثم علیہ الرحمہ نے اسکا
خلاصہ لکھا جسکا نام مصباح السالکین رکھا۔

(۵) شیخ جلیل قطب الدین محمد بن الحسین اسکندری رحمہ اللہ کی شرح کا نام اصباح ہے مگر یہ بھی نایاب ہے

(۶) شیخ حسین ابن شہاب الدین حیدر علی عاملی کرکی کی شرح بھی مبسوط شرح ہے مگر میری نظر سے نہیں
گذری شمار ان کا علمائے اصفہان میں ہے مگر اواخر عمر میں بمقام حیدرآباد دکن تشریف لائے اور
وہیں وفات پائی بماہ صفر روز دوشنبہ ۱۰۷۶ھ۔

(۷) شیخ نظام الدین علی بن الحسین بن نظام الدین جیلانی کی شرح کا نام انوار الفصاحۃ واسرار
البلاغہ ہے اور خطبہ اوسکا یہ ہے الحمد للہ الذی دل بذاتہ علی ذاتہ وجل عن مغائرۃ صفاتہ
الخ قبل شرح ایک مقدمہ اور چار منہج لکھا مگر اکثر اوسکا ماخوذ ہے شرح ابن ابی الحدید اور علامہ
قطب الدین کی شرح سے کما فی کشف الحجب۔

(۸) علامہ سید سند مرزا علاء الدین محمد ابن ابی تراب الحسینی مشہور بہ فاضل گلستانہ کی شرح نہایت مبسوط ہے، نام اسکا حدایق الحقایق ہے۔ ۲ جلد مین شرح لکھی گئی المتوفی سنہ ۱۱۱۰ھ

(۹) آقا شیخ محمد رضا کی شرح مسمے بدرہ نجفیہ مطبوعہ ایران فی الحال بہت شایع و ذایع ہے شرح مختصر ہے اور زیادہ تر ابن میثم علیہ الرحمۃ سے ماخوذ ہے۔

(۱۰) اسکی شرحون مین ایک روضۃ الابرار بھی ہے فاضل زرواری کی فارسی مین۔

(۱۱) علامہ سید ماجد ابن محمد بحرانی معاصر شیخ بہائی علیہ الرحمہ بھی ایک شارح ہین۔ یہ استاد ہین ملا محمد محسن کاشانی صاحب وافی کے وفات انکی شیراز مین ہوئی سنہ ۱۰۲۸ھ۔

(۱۲) ملا فتح اللہ کاشانی المتوفی سنہ ۹۹۷ھ کی شرح جو اصل مین ترجمہ ہے فارسی مین نہایت درجہ مشہور و معروف ہے اور اس ترجمہ سے ان بھی اوس سے بہت کچھ مدد لیگئی ہے نام اسکا تنبیہ الغافلین ہے۔

ملا فتح اللہ مشاہیر علما سے ہین جنکی مدح و ثنا مین فریقین کے علما رطب اللسان ہین مختصر حالات اونکے منتخب التواریخ ملا عبد القادر بدایونی سے نقل کئے جاتے ہین جو نہایت متعصب علماے اہل سنۃ سے ہین جس سے جلالت قدر علامہ مذکور ظاہر ہو۔

"ودر ربیع الثانی سال نہصد و نود سیادت پناہ میر فتح اللہ شیرازی کہ در وادی الہیات و ریاضیات و طبیعات و سائر اقسام علوم عقلی و نقلی و طلسمات و نیرنجات و جر الثقل نظیر خود در عصر نداشت برحسب فرمان طلب پیش عادل خان دکھنی بفتح پور رسیدہ و حسب الحکم خانخانان و حکیم ابو الفتح باستقبال رفتہ بملازمت آوردند و بمنصب صدارت کہ سیاہ تو نیچی پیش نبود امتیاز یافت" "تا ازین فقرا برجز آنکہ بدہد" "ورنہ بسیار بدداغ و نجلی بیجا نگیرد او مقرر شدہ چون شنیدہ بودند کہ او شاگرد بیواسطہ میر غیاث الدین منصور شیرازی است کہ بنماز و عبادت و دیگر چندانی مقید نبود گمان داشتند کہ مگر در سخنان مذہب و دین بالیشان ہماشاہ خواہد کرد۔ او در وادی مذہب خود استقامت تمام ورزیدہ با کمال حب جاہ و دنیاداری و امراپرستی دقیقہ از دقائق تعصب در دین فرو نگذاشت۔ و در عین دیوانخانہ خاص کہ ہیچکس یارای آن نداشت کہ علانیہ ادای صلوۃ کند نماز بفراغ بال و جمعیت خاطر بہ مذہب امامیہ میگذارد و بدین معنی مطلع شدہ اورا از زمرہ ارباب تقلید شمرد۔ از ان وادی اغماض فرمود بجہت رعایت علم و حکمت و تدبیر و مصلحت در تربیت او دقیقہ فرو گذاشت نہ رفت" صفحہ ۳۱۶ جلد ۲

پھر دوسرے مقام پر بذیل ذکر علماے عہد اکبر شاہی لکھتے ہین میر فتح اللہ شیرازی از سادات شیراز بود
اعلم علماے زمان ست مدتہا مقتدا از حکام و اکابر فارس بود جمیع علوم عقلی از حکمت و ہندسہ و ہیئت
نجوم و رمل حساب و طلسمات و نیرنجات و جراثقل نیکو میدانست و درین فن آنقدر حالت داشت
کہ اگر بادشاہ متوجہ میشد رصدی میتوانست بست و در علوم عربیت و حدیث و تفسیر و کلام نیز نسبت
او مساوی است و تصانیف خوب دارد صفحہ ۱۵۵ جلد ۳- ان عبارتون سے جہان جلالت قدر
ملا فتح اللہ شیرازی نمایان ہی وہان اسکی بھی وجہ سمجھ مین آسکتی ہی کہ اس کتاب مستطاب کے انتخاب
کی ترجمہ کے لئے کیا وجہ تھی کیونکہ یہ کتاب صرف ہادی طریق عقبےٰ ہی نہین ہے بلکہ علوم عقلیہ و
حکمیہ کے لیے بھی یہ کتاب ایسی لاجواب ہی کہ کوئی کتاب اسکے ہمسر نہین - یہی وجہ ہی کہ تمامی یا اکثر علما
نے جنکو ان علوم حکمیہ سے خاص تعلق رہا ہی اس کتاب کی شرح و حل پر برابر متوجہ رہے ہے -
چنانچہ علامہ شیخ بہاء الدین عاملی اور جناب ملا میر باقر داماد علیہ الرحمہ نے بہت سے حواشی اسپر
لکھے اور یہ بزرگواران مشاہیر حکماے اسلام سے ہین کہ خود فن حکمت کو او نپر ناز ہے - بہر حال
یہ کتاب ایسی کتاب ہی کہ اسلام جہان تک اسپر فخر کرے بجا ہے اور یہی وہ کتاب ہی جو اس زمانہ
کے نئے نئے علوم طبعیہ و سائنس کے مقابلہ مین پیش کیجا سکتی ہی جس سے مخالفین اسلام کو بھی
معلوم ہو کہ جن مسائل کی ایجاد و تحقیق پر وہ لوگ آج نازان ہین ایسے مسایل ہین کہ آج سے تیرہ سو برس
پہلے قوت الہامیہ اسلام نے ان کو حل کر دیا اور تمام عالم پر اوسکی حقیقت کہولدی - ان سب کے
علاوہ تمدنی مسایل اور جنگ کی کارروائیون کو اور سیاست مدن کے قواعد کو اور دنیا کے نشیب و فراز
اور اسلام کی ابتدا و انتہا و ترقی و تنزلی کو اور آیندہ جو لوگ اسلام پر حکمران ہونیوالے تھے سبکا
ایسا نقشہ کھینچا ہے کہ سر مو تفاوت نہین - اور ایسے دلکش انداز نے اسکی تصویر کھینچی ہے کہ کسی
طرح عقل بشری کی سمجھ مین نہین آسکتا کہ کس خداداد قوت سے یہ سب بیانات ہوئے -
اب ہم مختصر طور پر کچھ اس ترجمہ کے عنوان کو بیان کرتے ہین جسکی تمنا ایک مدت سے تھی اور رب خداوند
عالم نے اس کا سامان کیا اور اوسکے فضل و کرم سے امید ہی کہ ہم اس مین کامیاب ہون -
(۱) یہ ترجمہ حامل المتن ہوگا کہ اصل عبارت کتاب مستطاب بجنسہ معہ حل لغات عربیہ اسطرح درج ہے
کہ جنلوگون کو عربی زبان کا مذاق کافی ہے وہ اصل عبارت سے منتفع ہون اور اوسکی فصاحت و بلاغت

وجزالت سے متمتع ہون کیونکہ جو لوگ اصل زبان کے ماہر ہین یا کچھ بھی مذاق اوسکا رکھتے ہین ہرگز
ترجمے سے وہ خوش نہین ہوسکتے جبتک اصل عبارت نہ ہو ہان اگر اوسکے ساتھ ترجمہ ہوگا تو جہان اصل
عبارت سے محظوظ ہون گے ترجمے کے حسن و قبح کا بھی اندازہ کرسکتے ہین۔

(۲) ترجمہ اگر لفظی ہو تو مترجم ہر الزام سے بری ہے اور جودت اختیار سے کسی قدر قابل تحسین بھی
ہوسکتا ہے مگر مقصود اصلی نہ حاصل ہوگا جو افہام و تفہیم عوام ہے۔ اور اگر اصل مطلب کا اظہار ترجمہ مین
کیا جاوے۔ تو گو افہام و تفہیم مین بہت کچھ سہولت ہوگی مگر اصل کلام کی لطافتین بالکل محو ہوجاتی
ہین بلکہ بعض اوقات ان مطالب جزئیہ پر ایسا رنگ چڑھ جاتا ہے کہ اصل مقولہ لغو معلوم ہوتا ہے
یا ایک معمولی جملہ نظر آتا ہے جو باعتبار جلالت قدر متکلم مستبعد معلوم ہوتا ہے حالانکہ وہ اصل مین حکمت
کا ایسا جامع جملہ ہے کہ مشکل سے کوئی اوسکا ہمسر نکلے۔ لہذا ہم نے اس ترجمہ مین ایسی راہ اختیار کی ہے
جو دونون طریقون کے وسط مین واقع ہے۔ لفظی ترجمہ کے ساتھ اداے مطلب و سہولت افہام و تفہیم
کو بھی پورے طور پر ملحوظ رکھا تاکہ فصاحت و بلاغت و جزالت بیان کے ساتھ نفس مطلب بھی بخوبی
ذہن نشین ہو اور کلام کی وقعت اور متکلم کی عظمت اور اوسکی غرض و غایت بھی دلونمین جاگزین
ہو اسیوجہ سے ہمکو اس ترجمہ مین نہایت دقت اوٹھانی پڑی اور اسمین وہ جان کھپی ہوئی جو
کسی بڑی بڑی تصنیف و تالیف مین بھی اوسکا مقابلہ نہ کرنا پڑا۔

(۳) اس ترجمہ کے ساتھ ہی ایک شرح بھی لکھنی پڑی جو بطور حاشیہ ہے کیونکہ شرح مین متن کی کل عبارتون
کی تشریح کیجاتی ہے اور یہان صرف اون مطالب سے بحث کو تعلق ہے جو کسی اہم مسئلہ حکمت سے متعلق
ہے یا سیاست تمدن کیطرف اشارہ کیا گیا ہے یا آئندہ واقعات کی نسبت پیشینگوئی کیگئی ہے یا اسلام
کے اون تفرقی مسایل کیطرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جنسے فریقین کی دو مہیب فوجین طیار ہین جو باخود ہا
خونریزی مین ہمہ وقت مشغول ہین اور اسی خونریزی نے اسلام کو یہ روز بد دکھایا ہے۔ کیونکہ ان کل طریقون
کی انتہا حضرت ہی تک پہنچتی ہے آپ جہان مرکز دائرہ وجود اسلام ہین وہان اختلاف کا بقاعدہ
مثلث مختلف الاضلاع آپ ہی سے مخالفت کرنے کی بدولت قایم ہوتا ہے لہذا ابتدائی حصونمین
تو ہمکو شروح و حواشی و تواریخ سے کام لینا پڑا۔ مگر آخری حصہ مین بہت کچھ وسعت نظری کی ضرورت
تھی کیونکہ اسی بنیاد پر پہلے حضرت کے کلام ہونے سے انکار کیا گیا پھر اوسکے شارح پر اعتزال و رفض

کا الزام قائم کیا گیا۔ پھر تاویل کی گئی اور اُسکے معانی بگاڑے گئے۔ اب اگر ہم حضرت ہی کے کلام بلاغت نظام سے استدلال کرتے ہیں تو مصادرہ علی المطلوب ہوتا ہے اور اگر اُسی شارح کو سند میں پیش کرتے ہیں تو وہ پہلے ہی سے مجروح کر دیا گیا۔ لہذا ضرورت ہوئی کہ اصل کلام یا اُس کی شرح کا اثبات ایسے طریقہ سے کیا جائے جس میں کوئی جادو نہ چل سکے۔ اسلئے ہمکو صحاح ستہ اور دیگر مسانید و سنن اور سیر و تواریخ کے ہزار ہا اوراق الٹنے پڑے اور اصل عبارت اُن کتابوں کی مع ترجمہ لکھنی پڑی تاکہ پھر محل شک و شبہ نہ رہے اور انکار و تاویل کے ابواب مسدود ہوں اور پھر کسیکو ایسی جرأت نہ ہو کہ امر حق سے انکار کرے وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

(۴) آخر میں ہمارا ارادہ ہے کہ حضرت کے کلاموں کا ایک دوسرا مجموعہ مرتب کریں جسمیں حضرت کے وہ کلمات ہونگے جو اس کتاب میں نہیں ہیں اور اگر ہیں تو اُن کی سندیں یہاں مذکور نہیں۔ اب ہم مع سند باحوالہ کتب جمع کرینگے تاکہ ہماری نسل آئندہ اس مجموعہ سے مستفید ہو جیسا کہ ہم اس مجموعہ سے مستفید ہو رہے ہیں اگرچہ یہ کام اہم ہے اور اسکے لئے وسعت نظر، اطمینان خاطر، اجتماع مواد و اعوان و انصار درکار ہے جو ہمارے لئے حکم عنقا رکھتے ہیں۔ مگر المیسور لا یسقط بالمعسور۔

(۵) آخر میں یہ بھی عرض کرنا ضروری ہے کہ اصل کتاب نہج البلاغہ میں جہاں ہر طرح کے محاسن و محامد مجتمع ہیں وہاں ایک نقص بھی ہے کہ تالیف کتاب میں ترتیب کا خیال بہت کم رہا جسکا خیال بھی شاید اُس زمانہ میں کم ہوتا تھا۔ یا جیسا کہ سید رحمہ اللہ نے خطبہ میں اشارہ کیا اُن کو موقع نہ ملا کہ تقدیم و تاخر خطب میں ترتیب زمانہ یا واقعات کا خیال فرماتے اور درحقیقت جو شخص ایسے اہم کام کو انجام دینا چاہتا ہے اُسسے ایسے فروگزاشتوں کا ہو جانا کچھ تعجب نہیں بلکہ نہایت ضروری تھا کہ جہاں تک ہو سکے مختلف دفاتر سے اِن جواہر آبدار کا مجموعہ مرتب کر لیا جائے ترتیب کا اختیار باقی رہتا ہے اس فروگزاشت سے اگر ہمکو نقصان پہونچتا ہے تو صرف اسیقدر کہ تاریخی حیثیت سے ہم کو ان خطبات سے کمتر مدد ملتی ہے مگر اصل واقعہ پر کسیطرح خلاف اثر نہیں پڑ سکتا جو نہایت متانت و استقلال سے ثابت ہے۔

اب ہم اصل ترجمہ اور شرح کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ وافوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد۔